نصابِ سلسلۂ عثمانیہ جامعہ علیہ عثمانیہ

ہند کے حکمراں

(رولرز آف انڈیا)

مارکوئیس کارنوالس

اور برطانوی حکومت کا استحکام

ڈبلیو ایس سیٹن کار کی تصنیف کا اردو ترجمہ

از
محمد عبدالستار صاحب ایم اے ۔ ایم آر اے ایس (لندن)
رکن سررشتۂ تالیف و ترجمہ جامعۂ عثمانیہ

۱۳۵۱ھ م ۱۳۴۱ ف م ۱۹۳۲ء

دارالطبع جامعۂ عثمانیہ سرکارِ عالی حیدرآباد دکن

یہ کتاب آکسفورڈ یونیورسٹی پریس کی اجازت سے
جس کو حقِ اشاعت حاصل ہے اُردو میں ترجمہ کرکے
طبع و شایع کی گئی ہے

فہرستِ مضامین

لارڈ کارنوالس

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لارڈ کارنوالس

پہلا باب

اوائل زندگی و مہم امریکہ

مسٹر راس کا یہ کہنا درست ہے کہ آئرلینڈ میں کارنوالس کا خاندان کسی حد تک باوقعت تھا جیسا کہ خاندانی وثیقوں سے بھی ظاہر ہے۔ اس خاندان سے انگلستان کے سربرآوردہ لوگوں میں سب سے پہلے وثوق کے ساتھ جس کا ذکر ہم سنتے ہیں وہ تھامس کارنوالس ہے جو ۱۳۶۰ء میں لندن کا شیرف (ناظم ضلع) مقرر ہوا تھا۔ اس نے ضلع سفوک (Suffolk) میں جائداد حاصل کی اور اس کے بیٹے اور پوتے نے پارلیمنٹ میں اس ضلع کی نمایندگی کی۔ اس کے جانشینوں میں سے ایک نے وایاٹ (Wyatt) کی بغاوت فرو کرنے میں مدد دی جس کے صلے میں اسے خزانہ دار محل شاہی کا عہدہ

دیا گیا۔ چارلس اول نے خزانہ دار کے پوتے کو بیرن کے خطاب سے سرفراز کیا۔ اس نے بادشاہ کی طرفداری اختیار کی اور برّاعظم دیورپ تک چارلس دوم کا ساتھ دیا۔ اس کے عودِ شاہی کے بعد سر فریڈرک ۱۶۶۱ء میں بیرن کارنوالس بن گیا۔ مشہور ہے کہ اس خطاب کے پانے والوں میں سے تیسرے شخص نے اینی اسکاٹ (Anne Scott) سے جو مان ماؤتھ (Monmouth) کی بیوہ اور بکلیو (Buccleugh) کی ڈچز تھی شادی کی۔ پانچواں بیرن جو ٹرنٹ (Trent) کے جنوب میں ایری (Eyre) کا چیف جسٹس اور ٹور (Tower) کا کانسٹیبل تھا جون ۱۷۵۳ء میں ارل کارنوالس اور وائیکونٹ بروم (Viscount Brome) کے اعزاز سے ممتاز ہوا۔ اس کا بیٹا جو ۳۱ر دسمبر ۱۷۳۸ء کو پیدا ہوا موجودہ داستان کا موضوع ہے۔

چارلس (ارل ثانی اور مارکوئیس کارنوالس اول) کی تعلیم ایٹن (Eton) میں ہوئی اور زمانے کے رسم و رواج کے مطابق وہ اٹھارہ سال کی عمر میں فوج میں داخل ہوا۔ ۱۷۵۸ء میں وہ فن کی تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے باہر بھیجا گیا چنانچہ وہ ٹورن (Turin) کی فوجی درس گاہ میں شریک ہو گیا۔ یہاں اس کی زندگی کے متعلق کئی دلچسپ قصے پروشیا کے ایک افسر کپتان ڈی روگون (Captain De Roguin) کے خطوط میں پائے جاتے ہیں جو اس نوجوان انگریز کا ہم سفر اور معلم بیان کیا جاتا ہے۔ درس گاہ کے انتظام تعلیم و تربیت میں جائز طور پر سختی کی جاتی تھی۔ لارڈ بروم نے جرمانی زبان کی تحصیل اور گھوڑے کی سواری کی تعلیم کے ساتھ ساتھ رقص اور شمشیر زنی سیکھنے میں اپنا وقت صرف کیا۔ ٹورن سے رخصت ہو کر وہ جرمنی کے چند درباروں میں حاضر ہوا۔ لارڈ گران بی (Granby) کے اسٹاف کا شریک عمل رہا اور برّاعظم کی کئی لڑائیوں میں بشمول جنگ منڈن (Minden) موجود رہا۔ ۱۷۶۰ء میں وہ بہ حیثیت رُکن آئی (Eye) پارلیمنٹ میں داخل ہوا لیکن دو سال کے اندر ہی ۱۷۶۲ء میں اپنے باپ کی وفات پر ارل بن گیا۔

اس وقت تک ارل کارنوالس کے دور میں کوئی غیر معمولی بات وقوع پذیر نہ ہوئی تھی۔ اس نے ایک عام مدرسے میں تعلیم پائی تھی۔ غیر ممالک کی سیر و سیاحت

سے اس کے دل ودماغ میں ترقی اور مذاق میں وسعت پیدا ہو گئی تھی۔ منڈن (Minden) لیبینا (Labinau) اور فرانسیسیوں کے خلاف دوسری چھوٹی چھوٹی لڑائیوں میں اس کو ملازمت کی سختی کا کچھ تجربہ ہو چکا تھا۔ گھر واپس آنے کے بعد فوجی فرائض کی جانب اس نے اپنی توجہ جاری رکھی اور وہ اپنی رجمنٹ کے ساتھ ڈبلن (Dublin) ڈربی (Derby) گلوسسٹر (Gloucester) اور جبرالٹر (Gibraltar) کے مقامات پر متعین کیا گیا۔ جولائی ۱۷۶۸ء میں اس نے پیدل سپاہ محافظ کی تیسری رجمنٹ کے کرنیل جونس (Colonel Jones) کی بیٹی جمیما نامی کے ساتھ شادی کر لی۔ دارالامرا میں وہ ہر موقع پر موجود رہتا تھا جہاں وہ بالعموم لارڈ شل برن (Shelburne) (جو بعد کو لارڈ لینسڈون اول کہلایا) اور ارل ٹمپل (Temple) کی تائید میں رائے دیتا تھا۔ یہ بات قابل غور ہے کہ اس کے پیش روؤں کے مصلحت آمیز خیالات کے باوجود وہ امریکہ کی نوآبادیوں کے محصول کی تجویز کا مستقل طور پر مخالف بنا رہا اگرچہ وہ مختلف وزارتی عہدوں پر مامور رہا لیکن اس نے ایک سے زیادہ مواقع پر وزارت حالیہ کے خلاف اپنی رائے دی۔ ۱۷۷۱ء میں جونیس (Junius) نے اس پر سخت لعنت ملامت کی اور اس زہر اگلنے والے مصنف نے اس کی جانب یہ ارادہ منسوب کیا کہ وہ اپنی شہرت کو دوبارہ حاصل کرنے کی امید میں برضا و رغبت جلا وطن ہو رہا ہے۔

اس حملے کا مدار جونیس کے بہت سے اور الزامات کی بہ نسبت زیادہ تر صداقت کی بنیاد پر نہیں ہے لیکن زندگی عامہ سے کنارہ کش ہو کر معاشری جلا وطنی اختیار کرنے کی بجائے اس وقت سے کارنوالس کی قسمت میں یہ لکھا تھا کہ امریکہ، ہندوستان، آئرلینڈ اور برِ اعظم (یورپ) سے متعلق اہم ترین امور میں لازماً نمایاں طور پر شرکت کرے۔ عملاً اس کی پبلک زندگی چار حصوں میں تقسیم کی جا سکتی ہے۔ وہ شاہی فوجوں کے ایک دستے کا کمانڈار رہا۔ امریکہ کی حکومت خود اختیاری کی جنگ میں بڑی خدمت انجام دی۔ ہندوستان میں گورنر جنرل اور سپہ سالار کے عہدوں پر اولاً ستمبر ۱۷۸۶ء سے اکتوبر ۱۷۹۳ء تک اور پھر جولائی ۱۸۰۵ء سے اکتوبر ۱۸۰۵ء تک مامور رہا۔ جون ۱۷۹۸ء اور مئی ۱۸۰۱ء کے مابین تقریباً تین سال تک آئرلینڈ میں لارڈ لفٹننٹ اور سپہ سالار کے

عہدوں پر متمکن تھا۔ ایمینز (Amiens) کی صلح کا معاملہ اسی نے طے کیا تھا۔

اس داستان کا منشا یہ ہے کہ ہندوستان کے ایک حکمران کی حیثیت سے لارڈ کارنوالس کے عادات و اطوار اور تجاویز و مقاصد بیان کیے جائیں۔ نیز ان تاریخی واقعات کو اس حد تک دیکھا جائے جہاں تک کہ ان کا تعلق اس کا کیرکٹر سمجھنے کے لیے ضروری ہے۔ جس لڑائی میں امریکہ کی نوآبادیاں ہمارے قبضے سے نکل گئیں اور جو حالت اس صدی کے شروع میں آئرلینڈ کی تھی اور فرانسیسیوں کی وہ لڑائی جو ایمینز کی چند روزہ صلح پر ختم ہوئی ان سب چیزوں سے زیادہ تر انگریز ایسے ہیں جو خاص واقفیت رکھتے ہیں۔ اسی طرح مملکت ہند کے نظم و نسق کے بارے میں ان دو مسلسل لڑائیوں کے تفصیل وار تذکرے کی ضرورت نہیں ہے جو ٹیپو سلطان کے خلاف کی گئیں لیکن وہ اہم اصلاحیں جو لارڈ کارنوالس نے ہندوستان میں جاری کیں ایک طویل بیان کی محتاج ہیں۔ عموماً ایسے واقعات یا حکایات نظرانداز نہ ہوں گی جن کی بدولت اس مدبر کو خواہ سپاہی کی طرح ہو یا ناظم ملکی کی حیثیت سے تاریخ میں موزوں جگہ کا مستحق سمجھا جاتا ہے۔

۱۷۶۶ء کے آغاز میں کارنوالس کو جو اس وقت تک لفٹنٹ جنرل کا عہدہ حاصل کر چکا تھا امریکہ میں انگریزی فوج کے ایک دستے کی قیادت کا حکم ملا۔ اس نے وزارت یا حکومت وقت سے اختلاف کر کے نفس معاملہ پر افسوس کا اظہار کیا تھا مگر فوجی فرائض کے جذبے کے تحت خدمت قبول کر لی۔ اس کے دو سال بعد کارنوالس کو ہم انگلستان میں دیکھتے ہیں۔ اپریل ۱۷۷۸ء میں وہ امریکہ واپس گیا لیکن پھر گھر آیا اور فوج کی کمان چھوڑ دی۔ یہ علیحدگی اس خیال راسخ کی بنا پر نہیں تھی کہ جنگ میں کوئی ناشائستگی یا ناانصافی ہوئی بلکہ اس کی وجہ لیڈی کارنوالس کی بیماری تھی جو اپنے شوہر کی غیر حاضری میں لاغر ہو کر ۱۴ فروری ۱۷۷۹ء کو اپنے خاندانی مقام کلفورڈ (Culford) میں انتقال کر گئی۔

اس اندوہ گیں حادثے کے بعد کارنوالس نے فوجی ملازمت میں دوبارہ داخل ہونے کا قطعی فیصلہ کر لیا اور پھر امریکہ میں بمقام یارک ٹون ہتیار ڈالنے

کے وقت تک متعین رہا۔ سر جان کیئی (Sir John Kaye) کی یہ رائے ہے کہ امریکہ میں ہماری کامیابی کے متعلق کارنوالس کی آمد سے قبل ہی مایوسی ہو گئی تھی اور مطلع امید اور بھی زیادہ تاریک ہو گیا جب کہ فوج کی خاص کمان سر ولیم ہو (Sir William Howe) کے جانشین سر ہنری کلنٹن (Sir Henry Clinton) کے حوالے کی گئی۔ لارڈ اسٹان ہوپ (Lord Stanhope) کے خیال کے مطابق اگر کلائیو نہ ہوتا تو ہم بنگال میں اپنی حکومت کی بنیادیں نہیں رکھ سکتے تھے۔ مورخ کا یہ بیان ہے کہ اگر کلائیو زندہ ہوتا تو امریکہ کی نوآبادیاں ہمارے قبضے سے نہ نکلتیں یا کم از کم ان کی مختاری کسی دوسرے طریقے پر حاصل کی جاتی۔ جہاں یہ کہنا غیر ضروری ہے کہ امریکہ میں ہماری پشت پر کوئی باکمال سپہ سالار نہ تھا وہاں یہ بتانا مناسب ہے کہ کارنوالس نے خوبی کے ساتھ کم از کم تین مواقع پر مقابلہ کر کے نوآبادیوں کو شکست دی۔

جب انگریزی فوجوں نے کچھ تو مال و اسباب مگر اس سے زیادہ عزت و آبرو کھو کر فلاڈیلفیا (Philadelphia) کا تخلیہ کر دیا تو کارنوالس نے پہلے ہی معرکے میں امریکیوں کو پسپا کر دیا جو اس کی فوج کے عقبی حصے کو نقصان عظیم کے ساتھ محصور کر رہے تھے۔ چارلسٹن کے محاصرے میں فوج کا جو دستہ قلعے پر حملہ کر رہا تھا اس میں وہ رضاکار کی حیثیت سے حملہ آوروں میں شریک ہو گیا۔ اگر کوئی اعتراض کرے کہ ایک فوجی افسر کو جس کے پاس فوج کی کمان ہو ایسا کرنا زیبا نہ تھا تو اس کی ایک اور مثال بھی موجود ہے چنانچہ ہندوستان میں سر جیمس اوٹ رام (Sir James Outram) غدر کے زمانے میں جنرل ہیولک (General Havelock) کو اپنی کمان سپرد کر کے خود اس رضاکار رسالے کے دھاوے میں جو لکھنؤ کو باغیوں سے بچانے کے لیے کیا گیا شریک ہو گیا تھا۔ ۱۸ اگست ۱۷۸۰ء کو چارلسٹن سے کیمڈن (Camden) اور روگلی ملز (Rugeley Mills) کو تیزی کے ساتھ کوچ کر کے اس نے جنرل گیٹس (General Gates) کی فوج کو شکست فاش دی۔ ایک افسر کے نام وہ اپنے خط میں بیان کرتا ہے کہ "ایک ہزار سے زیادہ مقتول اور زخمی ہوئے اور تقریباً آٹھ سو قیدی بنائے گئے۔ آٹھ پیتل کی توپیں جو دشمن کے

پاس میدان جنگ میں تھیں، اسباب حرب کی تمام گاڑیاں، ہتھیاروں کی ایک بڑی تعداد اور ایک سو تیس بار برداری کی گاڑیاں یہ تمام چیزیں ہمارے قبضے میں آگئی ہیں۔ مختصر یہ کہ ایسی مکمل فتح کبھی نصیب نہ ہوئی تھی"۔

جیسا کہ ایک سے زیادہ مورخوں نے بیان کیا ہے بدقسمتی سے ان عارضی کامیابیوں کا سلسلہ ٹھیک طور پر کبھی جاری نہ رہا۔ ہماری نقل و حرکت میں سواری کی قلت اور رسد رسانی کی بدانتظامی کے باعث رکاوٹیں پیدا ہوتی رہیں۔ انگریزی فوج اگرچہ تعداد میں اپنے دشمن سے زیادہ تھی لیکن اس کی تنظیم کبھی پایۂ استحکام کو نہیں پہنچی۔ علاوہ بریں کارنوالس تو کامیاب رہا لیکن جو دستے دوسرے افسروں کی کمان میں تھے وہ نوآبادیوں سے شکست کھاتے رہے شاہ پسند جماعت اور اس کی جمع شدہ فوج ان چھوٹی چھوٹی مسلسل ناکامیوں سے پست ہمت اور شکستہ دل ہو گئی۔ اگرچہ ۱۷۸۰ء کی مہم مجموعی حیثیت سے شاہ پسند جماعت کے لیے امید افزا تھی لیکن کرنیل ٹارلٹن (Colonel Tarleton) نے کاؤپنس (Cowpens) پر ایک ایسی ہزیمت اٹھائی جو محاصرۂ ساراٹوگا (Saratoga) کے بعد عظیم ترین مصیبت بیان کی گئی ہے۔ اس شکست کے نقصان کی تلافی کے لیے جو کچھ ہو سکتا تھا وہ کارنوالس نے کیا۔

بمقام گلڈ فورڈ (Guildford) اس نے جنرل گرین (General Greene) پر حملہ کیا جس کے زیر کمان تقریباً چھ ہزار سپاہ کی ایک فوج تھی۔ بتاریخ ۱۵ مارچ ۱۷۸۱ء کارنوالس نے اس افسر کو شکست دی اور اس کی توپ پر قبضہ کر لیا لیکن یہاں پھر سامان رسد کی قلت، اہل ملک کی بے رخی اور شاہ پسند جماعت کی بزدلی نے فوجی کارروائیوں کو کمزور کر دیا۔ اگرچہ حملۂ مذکور کے متعلق امریکہ کے مورخوں کو اس بات کا اعتراف ہے کہ وہ بوجہ خوبی تنظیم، برطانوی افواج کے استقلال کی ایک نمایاں مثال ہے اور ایک انگریز مورخ اسے کریسی (Cressy)، پائیٹیرس (Poitiers) اور اجن کورٹ (Agincourt) کے لگ بھگ بتاتا ہے لیکن وہ محض ایک ظاہری کامیابی تھی حقیقتاً یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس سے امریکیوں کی بہ نسبت انگریزوں پر

زیادہ نقصان عاید ہوا۔

کارنوالس جو گلفورڈ کی لڑائی میں زخمی ہو چکا تھا پھر شمالی کارولینا (North Carolina) سے ہوتے ہوئے ورجنیا (Virginia) روانہ ہوا اور دریائے یارک کے متصل یارک (York) اور گلوسسٹر (Gloucester) میں قیام کیا۔ یہ امر مشکل ہے کہ یارک ٹون کی حوالگی کا الزام کس کے سر رکھا جائے۔ سپہ سالار فوج نے بعد کو اس بات کے ظاہر کرنے کی کوشش کی کہ اس کے نزدیک ورجنیا کے صوبوں میں کارنولس کی روانگی مناسب نہیں تھی لیکن یہ بالکل واضح ہے کہ اس نے کارنوالس کو مدافعت پر کاربند ہوتے اور کسی موزوں جگہ مورچہ بندی کرنے کا حکم دیا تھا۔ کارنوالس کو بھی برطانوی بیڑے کی کمک اور سہارے کی کچھ امید تھی لیکن ہمّت کے ساتھ موثر طریقے پر کچھ بھی نہیں کیا گیا اور جب سپاہیوں، جنگی ساز و سامان، توپ خانے اور انجینیروں کے ساتھ امریکہ اور فرانس کی زبردست فوجوں نے انگریزی فوجوں کا محاصرہ کر لیا تو کمانڈار کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ اپنی جگہ سے دست بردار ہوتا یا کوشش کر کے غنیم کے لشکر کو چیرتا ہوا نکل جاتا۔ جب دوسری صورت بے سود ثابت ہوئی تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ تھکی ماندی فوج مغلوب ہو گئی اور دشمن نے قلعے کو مسمار کر دیا۔

اس واقعے نے عملی طور پر لڑائی کا خاتمہ کر دیا۔ کارنوالس تقریباً تین مہینے تک اسیر جنگ رہا اور انگلستان جانے کی اسے اقرار واپسی (عندالطلب) پر اجازت ملی۔ یہ خوشگوار امر یاد رکھنے کے قابل ہے کہ کارنوالس اپنے خطوط میں شکر گزاری اور نیک نیتی سے تلطف آمیز اور اخلاقی برتاؤ کا ذکر کرتا ہے جو فرانسیسی افسروں نے اس کے نیز دوسروں کے ساتھ کیا۔ آخر کار ایک اعلیٰ رتبہ امریکن قیدی کرنیل لارنس (Colonel Laurens) کی بطور معاوضہ رہائی سے متعلق طویل و تکلیف دہ خط و کتابت کے بعد ۱۷۸۳ء کے آغاز میں کارنوالس کو پابندی اقرار سے بری کر دیا گیا۔

ان متعدد رسائل و خطوط کی تشریح کے بغیر جن میں ہماری ناکامی کی ذمہ داری

پر ایک سخت و تلخ بحث کی گئی تھی کارنوالس کے اوصاف کا ایک فوجی شخص اور لشکر ساز کی حیثیت سے اندازہ کرنا بخوبی ممکن ہے۔ اس امر کا تو فوراً اعتراف ہو سکتا ہے کہ کارنوالس میں زود رسی اور تیز نظری کی خصوصیتیں جو میدانِ جنگ میں بڑے بڑے سرداروں کو ممتاز بناتی ہیں موجود نہیں تھیں لیکن یہ خیال کرنے کی معقول وجہ ہے کہ ایک اعلیٰ سپہ سالار کے تحت اگر کارنوالس کو کسی دستۂ فوج کا سردار بنا کر کوئی خاص اتحادِ عمل میں لانے یا کسی خاص سمت کافی کمک کے ساتھ فوجی کارروائی کرنے کے لیے بھیجا جاتا تو وہ ایک اعلیٰ فوجی امتیاز حاصل کرتا۔

کارنوالس نے عمدہ تعلیم پائی تھی۔ وہ ایک اچھا قاعدداں تھا۔ وہ جانتا تھا کہ کب اور کس طرح سختی کرنی چاہیے۔ کسی مہم کو جاری رکھنے کا ایک واضح خاکہ اس نے بنا لیا تھا۔ سرہنری کلنٹن نے دشمن کو مطیع کرنے کے لیے نامناسب تدابیر کی تائید کر کے اپنی ناقابلیت کا اظہار کیا۔ کارنوالس کا بیان ہے کہ وہ ملک میں مہموں کی دیکھ بھال کرنے سے بالکل بیزار تھا۔ وہ اپنے سپہ سالار سے ذکر کرتا ہے کہ جنگ کو عزت و آبرو کے ساتھ اپنے قابو میں رکھنے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ اسے معدودے چند ہی مقامات پر جاری رکھا جائے اور جہاں کہیں شاہی افواج ہوں انہیں ایک پُرشکوہ قوّت کے ساتھ رہنا چاہیے۔ وہ صرف ورجینیا میں حملہ آوری کی کارروائی کے موافق تھا۔ اس کو فلاڈیلفیا میں مال و اسباب اور جائداد کی بربادی سے فائدے کی کوئی جھلک دکھائی نہ دی۔ اس نے اس کوشش کو فضول خیال کیا کہ ایک مضرِ صحت دلدل کو دفاعی اغراض کے لیے مرکز قرار دیا جائے جس پر دشمن سمندر کی چند روزہ برتری کے ساتھ فوراً قابض ہو سکتا ہے۔ فی الحقیقت وہ ایک ایسے صوبے میں فوجی کارروائیوں پر اپنی مساعی کو مرکوز دیکھنا چاہتا تھا جہاں ایک فیصلہ کن فتح سے اس کے دشمنوں کی شکست فاش یقینی ہو۔ یارک ٹون کی حوالگی سے پہلے کسی وقت چار اہم صوبوں پر ہمارا پورا قبضہ تھا اور اس وقت ایک دوسری ریاست ورمونٹ (Vermont) کی جانب سے کینیڈا (Canada)

کے ساتھ الحاق کی خواہش ظاہر کی گئی تھی۔ اس موقع پر ہماری شاہ پسند جماعت مایوس نہیں ہوئی تھی اور امریکہ والوں کا روپیہ اور رسد کی قلت کے باعث برا حال ہو گیا تھا۔

بہر کیف چند ہی سال کی مدت میں کارنوالس کو اپنے علم و تجربے کے اظہار کے لیے ایک بالکل مختلف میدان میں داخل ہونا تھا جہاں کہ اُسے کسی عہدہ دار بالا کی نا قابلیت کے باعث کوئی اُلجھن نہ ہو سکے یا بقول گبن (Gibbon) جہاں علَم و مُہر وزارت یا فوجی و دیوانی حکومت ایک ہی شخص کے قبضے میں دی جائے۔ ہمارے یہاں خود کارنوالس کا مستند بیان موجود ہے کہ مئی ۱۷۸۲ء میں لارڈ شیل برن (Shelburne) نے اس کے لیے یہ تجویز کی کہ وہ گورنر جنرل اور سپہ سالار کی حیثیت سے ہندوستان جائے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ یارک ٹون کی تباہی کے باوجود کارنوالس پر اعلیٰ مدبرانِ ملک کا اعتماد تھا اور وہ اہم اور معتبر امور کی انجام دہی کے قابل سمجھا جاتا تھا۔ بااین ہمہ قریب قریب اسی زمانے میں ہم کارنوالس کو یہ شکایت کرتے ہوئے پاتے ہیں کہ بادشاہ اور مسٹر پٹ (Mr. Pitt) نے اس کے ساتھ بہت بدسلوکی کی اور یہ کہ ان دو بڑی شخصیتوں نے اس بات پر اتفاق کر لیا تھا کہ اسے تحقیر آمیز و مضحکہ انگیز شکل میں دنیا کے پردے پر ظاہر کیا جائے۔

خط و کتابت کے دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کارنوالس کو نظم و نسق کا کام سپرد کرنے کے متعلق جو معاہدے ہوئے تھے وہ انصاف اور دقتِ نظر کے ساتھ عمل میں نہیں لائے گئے۔ یہ بھی عجیب بات ہے کہ کارنوالس اپنے ہندوستان جانے کی تحریک پر غور و خوض کرتے ہوئے اس نتیجے پر پہنچا کہ وہاں جنگی اور سپاہیانہ شہرت حاصل کرنے کا کوئی میدان نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ امریکہ کی ناکامیوں کے خیال نے اُسے گمراہ کر دیا ہو اور حالیہ شکست اور حیدر علی کے ہاتھ ہمارے عہدہ داروں کی گرفتاری نے پلاسی (Plassey) اور بکسر (Baxar) کی لڑائیوں کی یاد کو اس کے دل سے بھلا دیا ہو۔

کارنوالس، کرنیل راس (Colonel Ross) سے اپنی پیش بینیوں کا جو خوب ہوا کہ پوری نہ ہوئیں اس طرح ذکر کرتا ہے کہ "میں اپنے بچوں اور اپنے ملک کے آرام کو چھوڑنا اور صدر حکومت ہند سے خواہ وہ کیسی ہی ہو برسر پیکار ہونا نہیں چاہتا۔ یہ معلوم کر کے کہ فوج کی تربیت اور خرابیوں کی اصلاح کی قوت مجھ میں موجود نہیں ہے کسی نواب کے مقابلے میں انجام کار شکست کھا کر ہمیشہ کے لیے ذلیل و خوار ہو جانا مجھے گوارا نہیں"۔ کارنوالس کو شاید اُن تکلیف دہ تنازعات کا خیال بندھا رہتا تھا جو ہیسٹنگز (Hastings) اور فرانسس (Francis) کے مابین ہوئے نیز اُس اجتناب کا جو گورنر جنرل کی مجلس اعلیٰ کے دوسرے ارکان کی جانب سے ظاہر ہوا۔

جون ۱۷۸۴ء میں ایک صریح اطلاع یہ آئی کہ وزرا کارنوالس کو گورنر جنرل اور سپہ سالار کی دونوں خدمتیں دینے کا قصد رکھتے ہیں چنانچہ فروری ۱۷۸۵ء میں تشدد کے ساتھ جیسا کہ اس کا بیان ہے گورنر جنرل کی خدمت قبول کرنے کے لیے اُسے کہا گیا۔ اس تجویز سے چوبیس گھنٹوں کے غور و خوض کے بعد حسن اخلاق کے ساتھ اس نے انکار کیا۔ اس خیال کی گنجائش تھی کہ یہ انکار اسی قسم کی گفتگو کی تجدید میں مانع ہوتا مگر دوسرے سال کارنوالس ان مطالبات کی تکمیل کی جانب متوجہ ہوا جو امریکہ کی شاہ پسند جماعت نے اپنی مرضی سے پیش کیے تھے اور ہماری بندرگاہوں کے استحکام کے لیے اُس بورڈ یا اسپیشل کمیشن کی کارروائی میں بھی محو ہو گیا جس کا وہ ایک رکن دوسرے مشہور بحری اور فوجی افسروں کے ساتھ بنایا گیا تھا۔ اسی سال وہ برلن کو پروشیا کی سپاہ کے معائنے کے لیے بھیجا گیا جہاں فریڈرک اعظم کسی قدر خلق سے اس کے ساتھ پیش آیا گو یہ بات علانیہ طور پر ایک خط موسومہ کرنیل راس میں ظاہر کی گئی ہے کہ بادشاہ نے لا فیئٹے (La Fayette) کو نمایاں ترجیح دی۔ جب براعظم کی ریاستوں کے باہم دگر اور انگلستان کے ساتھ سیاسی تعلقات پر فریڈرک کی رائے پیش نظر ہوتی ہے تو بادشاہ اور انگریز سپہ سالار کی باہمی گفتگو جس کا حوالہ کارنوالس کی خط و کتابت میں موجود ہے بہت عجیب و غریب معلوم ہوتی ہے۔

۱۷۸۵ء کے آغاز میں کسی کی وجہ سے جو "کارنوالس کے سوانح و خطوط" (Cornwallis's Life and Letters)

میں صاف طور پر نہیں بتائی گئی ہے ہندوستان کی خدمت کے لیے کارنوالس کو پھر کہا گیا اور دلی حزن و ملال کے ساتھ جیسا کہ وہ کہتا ہے اس نے اپنے تقرر کو قبول کیا۔ مئی میں جہاز پر سوار ہوا اور اسی سال ستمبر کے مہینے میں کلکتہ پہنچا۔ مشرق کی جانب کارنوالس کی روانگی کے بعد ایک ایسے مسودۂ قانون پر شاہی منظوری ہو گئی جس کو خود اُس نے اِن تجاویز کے ساتھ پسند کیا تھا کہ ۱۷۸۳ء کی انڈیا بل کے تحت گورنر جنرل کے اختیارات وسیع کیے جائیں اور اُسے نہایت واجبی طور پر مجلس اعلیٰ کے کامل اتفاقِ رائے کے بغیر بلکہ مجلس مذکورہ کی مخالفت کے باوجود نازک موقعوں پر اختیارِ مطلق سے کام لینے کا مجاز کیا جائے۔

دُوسرا باب

ہندوستان کی سیاسی حالت۔ بندوبستِ مالگزاری

جدید گورنر جنرل کی حکمت عملی، اس کی ذمہ داریوں اور اختیارات کو بخوبی سمجھنے کے لیے اس موقع پر برطانوی ہند کی سیاسی حالت کا ایک مختصر خاکہ پیش کرنا شاید بیجا نہ ہوگا۔

ہم نے بنگال اور بہار کے زرخیز صوبے نیز اوڑیسے کا کچھ حصہ حاصل کرکے اصولی طور پر ان کا انتظام شروع کر دیا تھا۔ مرہٹوں کے چھ بڑے خاندان وسیع علاقوں اور منظم فوجوں کے ساتھ اس وقت تک مختار تھے۔ لکھنو اور حیدرآباد میں ملک کے بڑے بڑے حصوں پر مسلمان صوبہ داروں کی حکومت تھی۔ کرناٹک اور فرخ آباد میں کم درجے کے نواب اور ٹراونکور اور تنجور میں ہندو راجہ حکمران تھے جو حلیف کی حیثیت سے کسی وقت بھی حمایت اور کمک طلب کر سکتے تھے بشرطیکہ دشمنوں کی مانند وہ تکلیف دہ نہ رہے ہوں۔ بمبئی کا احاطہ بر اعظم کے

دو جزیروں اور چند ایسے ضلعوں پر مشتمل تھا جنہیں کوئی خاص اہمیت حاصل نہ تھی۔ مدراس کا رقبہ بہت وسیع تھا لیکن ہندوستان کے زیادہ تر حصے پر قدیم اور جدید خاندان، نیز گم نامی، نااہلی اور ناقابلیت کے اعتبار سے ہر قسم کے فرماں روا اس وقت تک برسرِ حکومت تھے اور ان کے نمایندے ہر وقت کمربستہ رہتے تھے کہ سلطنت مغلیہ کے کچھ حصے پر قابض ہو جائیں۔ یہ سلطنت اپنے عروج کے زمانے میں صرف ڈیڑھ صدی تک قائم رہی تھی اور اب اس کا شیرازہ بکھر رہا تھا۔

قبل اس کے کہ ملکی انتظام کے متعلق کارنوالس کی جاری کردہ اصلاحات میں سے کسی کا ذکر کیا جائے یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان دو مہموں کے انجام کو مختصراً بیان کیا جائے جو ہمارے سب سے زیادہ سخت اور زبردست دشمن ٹیپو سلطان کے خلاف سر کی گئیں۔ یہ حیدر علی کا بیٹا تھا جو میسور کے قدیم ہندو راجوں کو محروم کر کے سرنگا پٹم پر حکومت کر رہا تھا۔ مدراس کے سپہ سالارِ اعظم جنرل میڈوز (General Medows) کی قیادت میں لڑائی شروع ہوئی۔ ٹیپو نے بلا وجہ ہمارے حلیف ٹراونکور کے راجہ پر حملہ کیا تھا اور سپہ سالار مذکور کا یہ ارادہ تھا کہ حضور نظام اور پیشوا کے ساتھ متحد ہو کر سلطان کی خبر لی جائے۔ لیکن یہ امر جلد واضح ہو گیا کہ میڈوز میں باوجود ایک بہادر تجربہ کار اور بلند ہمت افسر ہونے کے سپہ سالاری کے ایسے اوصاف موجود نہیں تھے جو ایک دشوار گزار ملک میں ایک ہوشیار اور محتاط دشمن کے مقابلے میں یقینی کامیابی کے حامل ہوتے ہیں۔ مزید برآں رسد وغیرہ کی قلت سے بھی ہماری فوج کا بُرا حال تھا۔ خزانہ خالی تھا۔ مدراس کی سیول حکومت نااہل تھی۔ ۱۷۹۰ء کے اختتام پر گورنر جنرل کارنوالس نے اپنے موقتی اختیارات سے کام لیا اور عملی طور پر میدانِ جنگ میں فوج کی کمان خود لے لی۔

یہ بات میڈوز کے لیے قابلِ تعریف ہے کہ اس نے اپنے تنزل پر بُغض و عداوت کا اظہار نہیں کیا بلکہ نہایت خلوص اور وفاداری کے ساتھ وہ کارنوالس کے احکام پر عمل پیرا رہا۔ مارچ ۱۷۹۱ء میں بنگلور پر حملہ کیا گیا۔

ٹیپو نے سرنگاپٹم کی طرف مراجعت کی۔ کارنوالس نے اس کا تعاقب کیا لیکن شہر سے دس میل کے فاصلے پر اگرچہ کارنوالس نے دشمن کا مقابلہ کر کے اس کی فوج کو منتشر کر دیا تاہم توپوں اور سامانِ جنگ کی قلت کے باعث اس سے زیادہ وہ کچھ نہ کر سکا اور بنگلور واپس ہونے پر مجبور ہو گیا۔

اس مراجعت کے آفت خیز حالات بہت مشہور ہیں اور متعدد مورخین نے انہیں بیان کیا ہے۔ ٹیپو نے ہماری تمام کارروائیوں سے فوری واقفیت حاصل کرنے کا انتظام کر رکھا تھا۔ برخلاف اس کے ہمیں اُس کی نقل و حرکت کا بہت تھوڑا علم تھا۔ ہمیں توپوں کو مٹی میں چھپا کر باربرداری کا بھاری سامان چھوڑ دینا پڑا اور بیماروں اور زخمیوں کو ہندوستانی رسالے کے گھوڑوں کے ذریعے منتقل کیا گیا۔ اس سال کے دوران میں پھر کوئی جنگی کارروائی عمل میں نہیں لائی گئی۔ کارنوالس نے اپنے بیٹے لارڈ بروم (Lord Brome) کو لکھا کہ ضعیفی کے ساتھ ساتھ وجع المفاصل کے عارضے میں مبتلا ہو رہا ہوں اور ہمت و حوصلہ کچھ بھی باقی نہیں رہے تاہم اُسے امید تھی کہ وہ ٹیپو کو گفت و شنید کے ذریعے یا اس کے دارالحکومت پر حملہ کر کے شرائطِ صلح پر آمادہ کر لے گا اور اسی سبب سے اس نے جنوری ۱۷۹۳ء کے قبل ہندوستان سے رخصت ہونے کا خیال نہیں کیا۔ ساتھ ہی اس کے گورنر جنرل نے اپنے بھائی لیچ فیلڈ (Lichfield) کے اسقف کے نام ایک خط میں اپنی حیرت کا اس طرح اظہار کیا کہ کوئی معمولی سمجھ کا آدمی کبھی یہ قیاس نہیں کر سکتا کہ لڑائی سے گریز ہو سکتا تھا۔ حقیقت میں ان الفاظ کے بموجب جو اس نے ہنری ڈنڈاس (Henry Dundas) کو لکھے تھے لڑائی کی واقعی سخت ضرورت تھی اور اس بات کا علم تعجب کے قابل نہیں ہے کہ دونوں ایوانوں میں مخالف جماعت نے جنگ میسور کے متعلق جو حملہ کیا تھا وہ کلیتہً ناکام ہی نہ رہا بلکہ یہ کہ اُسے جنگ کی معقولیت پر رائے پسندیدگی کے اظہار سے حقیقتہً بدل دیا گیا۔

۱۷۹۱ء کے اختتام پر جنگی تیاریاں کچھ جوش و خروش کے ساتھ

دوبارہ شروع کی گئیں سیون ڈرگ (Sevendroog or Savandrug) کا قلعہ جسے کرنیل یول (Colonel Yule) نے میسور کا ایک مشہور دوہری پہاڑی کا قلعہ بتایا ہے اور جو سنگ خارا کی دو چوٹیوں والی بے درخت چٹان پر واقع ہے اور جس کی نسبت مدت تک یہ سمجھا جاتا تھا کہ وہ دیوار پر چڑھ کر یا توپ خانے کے ذریعے سے فتح نہیں ہو سکتا ستمبر کے آخر میں مسخر ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی تین اور قلعوں کا محاصرہ عمل میں آیا۔ برطانوی فوج کو کمک پہنچ چکی تھی۔ ہندوستانی سوداگروں نے غلّے کے وافر ذخیرے جمع کر لیے تھے۔ کارنوالس نے نواب نظام الملک کے فرزند کے زیر کمان ایک بڑی فوج اور مرہٹوں کے ایک چھوٹے رسالے کی متحدہ امداد سے دشمن کے مورچہ بند لشکر کو رات کے ایک حملے میں مغلوب کر لیا جس میں وہ خود زخمی ہوا۔ ٹیپو کو دریائے کاویری کے شمال کی جانب تمام چھاؤنیوں کے تخلیے پر مجبور کیا اور انجام کار وہ شہر کے محاصرے پر قابو پا گیا۔ اس مسلمان غاصب کی آخری شکست ایک ایسے مدبّر پر موقوف تھی جس نے اپنی حیرت انگیز قوت اور دوربینی کی بدولت ہندوستان کو ایک بہتر انتظامی حالت میں دیکھا اور جسے اعلیٰ درجے کے سیاست دانوں اور عہدہ داروں کی مدد حاصل تھی۔ لیکن کارنوالس کی دونوں مہموں کا خاتمہ ایک حقیقی کامیابی کہلانے کا مستحق ہے۔

ہندوستانی حلیف جن کے متعلق بعد کو یہ تحقیق سے معلوم ہوا کہ ٹیپو سے خفیہ مراسلت کر چکے تھے صلح کی طویل گفت و شنید کو انگریز سپاہی اور مدبّر کے ہاتھوں میں چھوڑنے پر قانع تھے۔ ملک کا کچھ حصہ انگریزوں کو ملا۔ ایک بڑی رقم تاوان کے طور پر انہیں دی گئی اور ٹیپو کے دو بڑے بیٹے گورنر جنرل کے خیمے میں لائے گئے اور بطور یرغمال اس کے حوالے کیے گئے۔ اس اہم درباری کارروائی کا ایک مشہور پرانا نقشہ ابھی تک انگلستان کے دیہی مکانات میں موجود ہے۔

میسور کی تاریخ گزشتہ کی یاد مدت تک ٹیپو کے تیسرے بیٹے شہزادہ غلام محمد کے ساتھ وابستہ رہی۔ یہ اپنے بھائیوں سے جو کفالت کے طور پر گورنر جنرل کے حوالے ہو گئے تھے عمر میں چھوٹا تھا اور خود ہمارے زمانے تک زندہ رہا۔ یہ ایک وفادار فیاض اور صلح پسند

شخص تھا۔ علی پور کی نواح میں رہتا تھا اور دو مختلف موقعوں پر انگلستان بھی گیا تھا۔ بہت سے انگریز اس قدیم شہزادے کی مہمان نوازی کے متعلق عمدہ خیالات رکھتے ہیں مثلاً اس کی قیام گاہ پر دو پیسرایوں کی دعوت ہونا اور اس کا اپنے ایک سیاہ گھوڑے پر جس کی لمبی دُم زمین کو جھاڑا کرتی تھی صبح کے وقت اطمینان کے ساتھ آہستہ آہستہ کلکتے کے گھڑ دوڑ کے میدان کے اطراف چکر کاٹنا۔

کارنوالس کے انتظام مملکت کی خارجی حکمت عملی کے بعض دوسرے واقعات پر اب اجمالی نظر ڈالی جاسکتی ہے۔ رزیڈنٹ میجر پامر (Major Palmer) کے ذریعے سندھیا کو یہ اطلاع دی گئی کہ گورنر جنرل اپنی خیراندیشی اور مشورہ دہی کے ساتھ مداخلت کرتے اور گوالیار اور نواب وزیر اودھ کے درمیان صفائی کرانے پر تیار ہے لیکن ساتھ ہی ساتھ مرہٹہ سردار کو آگاہ کیا گیا کہ کوئی ہتک آمیز یا مضرت رساں طرز عمل نواب وزیر یا اس کی رعایا کے ساتھ روا رکھنے کے یہ معنی ہوں گے کہ گویا وہ کمپنی کے لوگوں کے ساتھ ہوا ہے۔ اگرچہ ہندوستان میں علانیہ طور پر انگریزوں کی حیثیت کو 'اعظم ترین قوت' سے تعبیر کرنے کا ابھی وقت نہیں آیا تھا تاہم الفاظ بالا اس موقع کے حسب حال تھے البتہ عہد دلزلی ان کے استعمال کے لیے خوب موزوں ہوتا۔

ریاست تنجور کی مسند نشینی کے مسئلے نے حکومت کی بہت کچھ توجہ اپنی طرف منعطف کر رکھی تھی۔ حکومت نے اولاً امر سنگھ کے دعاوی کی جو ریاست مذکور پر قابض تھا تائید کی لیکن یہ فیصلہ مزید غور و خوض کے بعد اور خاصکر مشہور پادری شوارٹز (Schwartz) کے خط کی بنا پر بدل دیا گیا۔ متوفی راجہ کے متبنیٰ بیٹے سرفیجی (Sarfiji) کو گدی پر بٹھایا گیا۔ نواب کرناٹک کو قرضوں کے ادا کرنے اور عہد ناموں کی شرطوں پر پابند رہنے کے لیے ترغیب دینے کی تدبیریں اختیار کی گئیں لیکن ان کا زیادہ اثر نہ ہوا اور اس مشکل کا حل بھی دلزلی کے لیے باقی رہا۔ ایک بہت ممتاز سیاسی عہدہ دار کپتان کرک پٹرک (Captain Kirkpatrick) کو سفارت پر نیپال بھیجا گیا جہاں نائب السلطنت، راجہ کے چچا کی جانب سے اس کا تلطف آمیز خیر مقدم ہوا باوجود اس کے کہ اُمرا کی ایک جماعت سخت مخالف تھی جو تجارتی معاہدات، اور یورپی تعلقات کو اشتباہ آمیز نظروں سے دیکھتی تھی۔ فی الحقیقت یکے بعد دیگرے ہر دور حکومت میں نیپال کے راجہ اور وزرا کے عام حسد کے

باعث انگریزوں نے کارنوالس کے فرستادہ سفیر کے زمانے سے بمشکل کوئی ایسی حقیقی ترقی کی ہے جس کی نسبت یہ کہا جا سکے کہ برطانوی تجارتی مہم کے لیے راہ آئندہ کھل گئی ہے۔

بجز اُن لڑائیوں کے جو ٹیپو کے خلاف کی گئیں کارنوالس کا دورِ حکومت ایک پُرامن زمانہ کہا جا سکتا ہے۔ پانڈیچری (Pondicherry) کی فتح اس کے آخری کارناموں میں سے ایک ہے جسے بحری اور فوجی متحدہ طاقت نے انجام دیا۔ فرنگی توپ خانوں کے چند حملوں کے بعد شہر محصور ہو گیا۔ بلاشبہ اس کے بعد ہندوستان کی دوسری تمام فرانسیسی چوکیاں اور کوٹھیاں عارضی طور پر انگریزوں کے حوالے ہونے لگیں۔

سیاسی اور فوجی معاملات کو جن کی کارنوالس نے رہنمائی کی یا جن میں نمایاں طور پر شرکت کی مختصراً بیان کرنے کے بعد اب یہ ایک خوشگوار امر ہوگا کہ ہم ملک کی اندرونی اصلاح کی تدابیر کی طرف متوجہ ہوں جن کے باعث کارنوالس کو اُن انگریز مدبروں کی صف میں جگہ ملتی ہے جنہوں نے ہندوستان میں انگریزوں کی برتری کو پایۂ استحکام پر پہنچانے کے ساتھ ساتھ اُن وسیع صوبوں کی تہذیب، تنظیم اور ترقی کے لیے محنت اُٹھائی ہے جو فتح یا تحویل کے ذریعے حاصل ہوئے۔

ان امور پر تبصرہ کرنے میں سب سے پہلے مالگزاری کا بندوبست قابل توجہ ہے۔ ہر معزز حکومت کے تحت خواہ وہ ہندو، مسلم یا خارجی حکومت ہو بندوبستِ مالگزاری کا فیصل یا نامقصد اولین رہا ہے۔ مالگزاری یا محصول اراضی کا واجبی مطالبہ زمانۂ ماسبق سے ہر حقیقی حکومت کا حق مانا گیا ہے خواہ اس قوّتِ حق کا عمل وسیع و شاندار صوبوں کے حکمران اشوک یا اکبر جیسے طاقتور بادشاہ کی طرف سے ہو یا زرعی رقبے کے چند مربع میل جنگل اور پہاڑی قلعے والے کسی ادنیٰ راجہ کی جانب سے۔ مُتبصر حکمرانوں مثل اکبر یا شیر شاہ کے ساتھ بھی مالگزاری کی واجبی تشخیص اور کاشتکار یا دہقانیوں کی جماعت اور اعلیٰ زمیندار کے درمیان پیداوار کی منصفانہ تقسیم ہمیشہ ایک مقدم فرض رہا ہے۔ ۱۷۶۵ء میں جب انگریزوں نے بنگال کی دیوانی حاصل کی تو ان کا پہلا کام سالانہ یا پنج سالہ بندوبست کے ذریعے مالگزاری وصول

کرنا تھا۔

تحصیل سے متعلق بعد کے مشاہدات نے فرنگی ناظموں پر یہ بات واضح کردی کہ محدود تر اصول پر پیداوار میں حکومت کے حصّے کا تعیّن کرنا آسان طریقے سے اس کا جمع کرنا، اعلیٰ زمیندار یا کاشت کار حقیت دار سے لے کر کاشت کارِ شکمی تک ہر جماعت کے مفاد اور حقوق کی جانچ کرنا اور ان حقوق کو ایک مستقل اور قابلِ اعتماد وثیقے کے ذریعے مسلم کرنا ضروری ہے۔ یہ بجا طور پر کہا گیا ہے کہ جب تک محصول اراضی مقرر نہ ہو اور بندوبست عمل میں نہ آئے ترقی ملک کی کوئی دوسری کوشش نہ ہونی چاہیے اور اگر ہوئی تو اس کی کامیابی یقینی نہیں ہوتی۔ کسی خارجی یا دیسی حکومت میں خاطر جمعی اور رضاجوئی کی توقع رکھنا یا اُن اخلاقی اور ضروری امور کو جن سے ترقی اور تہذیب ظاہر ہوتی ہے شروع کرنا اُس وقت تک بے سود ہے جب تک کہ زراعت پیشہ لوگوں کو یقین کے ساتھ یہ نہ معلوم ہو جائے کہ کس مناسبت سے، سال کے کس زمانے میں، کن مقاموں پر اور کن حالتوں یا ذمہ داریوں کے تحت اُنہیں خزانچی کو تیار شدہ فصل کا وہ حصہ دینا ہے جسے وہ واجب الادا مانتے ہیں۔ ہندوستان میں بجز اس صورت کے کہ حکمران طاقت سے بطورِ استثنا معافی کی خاص منظوری لی گئی ہو کسی شخص کے وہم و گمان میں کبھی یہ بات نہ آئی کہ بغیر کچھ ادا کیے وہ اپنے تعلقے یا زمین کے حصّے پر قابض رہ سکتا ہے۔

یہ تمام نظریات وارن ہیسٹنگز اور کارنوالس کے عہد میں کامل طور پر ایسٹ انڈیا کمپنی کے ملازموں کی سمجھ میں اس طرح نہیں آئے جس طرح کہ زمانۂ مابعد میں ان کے ذہن نشین ہوتے گئے لیکن پھر بھی بیس سال تک تحصیل مالگزاری پہلی اور خاص غرض تاجروں اور محرروں کی رہی جو حسابی میزوں اور کھاتہ گھروں سے اٹھ کر مقامی خزانے کی نگرانی اور کسی بڑے ضلع کی امداد سے اس کی معموری میں خود کو مصروف رکھتے تھے۔ لارڈ کلائیو کے نظم و نسق کے دوسرے دور کے بعد انگریزوں نے البتہ باقاعدہ طور پر حکومت کا حصہ جمع کرنا شروع کیا تھا اور ایک معنی میں یہ گویا ملک پر ان کی حکمرانی کا آغاز تھا۔ پہلے پہل انگریز ملازم رکھے گئے اور انہیں ہندوستانی کلکٹروں اور اہلکاروں کی فوری ضرورت محسوس ہوئی۔ اس کے بعد کلکٹروں

پر نگران کاروں کا تقرر عمل میں آیا۔ بعد ازاں پٹنے، ڈھاکے اور مرشد آباد میں مقامی مجلسیں وجود میں آئیں اور آخر کار ایک مجلس مال قایم کی گئی جس میں پہلے مجلس اعلیٰ کے صدر کی حیثیت سے اور بعد کو بہ حیثیت گورنر جنرل، لارڈ کارنوالس ایک رُکن مقرر ہوا۔

جمع بندی کی ایک میعاد تو پانچ سال کے لیے قرار دی گئی اور دوسری ایک سال کے لیے۔ کلکٹروں کو تنخواہیں واجبی اور کمیشن بہت زیادہ دیا جاتا تھا۔ سرکاری مالگزاری کے جمع کرنے میں اتنا ہی زیادہ ظلم ہوتا تھا جتنا کہ زمینداروں کے واسطے لگان کے وصول کرنے میں ظاہر ہوتا تھا۔ کارنوالس کا تقریباً اپنی آمد کے وقت ہی سے یہ ارادہ تھا کہ اس ظلم کی تحقیقات کرکے شکایات دور کی جائیں اور ایک منصفانہ و پائیدار قانون اور قاعدے کے ذریعے کاشتکاروں کی تسلی، زمینداروں کی حفاظت اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے مفاد کے لیے اسباب مہیا کیے جائیں۔ اس مقصد کے ساتھ گورنر جنرل نے جائز طور پر ان لوگوں سے مدد چاہی جو اس کارِ اعانت کے لیے موزوں ترین تھے۔ کارنوالس یا اس زمانے کے مورّخ کی یہ نادانی ہوتی اگر وہ ان کلکٹروں سے جو وقتہً بنگال کے بڑے بڑے اضلاع پر متعین ہو گئے تھے ملکیت زمین، رسوم دیہی، حقوق، فرائض، اقسام اراضی اور قیمت پیداوار کے متعلق دقیق، صحیح اور گوناگوں واقفیت کی توقع رکھتا۔

بایں ہمہ یہ قیاس نہ کرنا چاہیے کہ کمپنی کے بعض قدیم ترین ملازم زراعت اور مالگزاری کے علم سے بالکل بے بہرہ تھے۔ گورنر جنرل نے مسٹر لا (Mr. Law) اور بورنیو (Borneo) کے راجہ برُوک کے باپ مسٹر برُوک دونوں کو بہت قابل اور تجربہ کار افسر پایا۔ مسٹر جیمس گرانٹ کی مشہور کتاب "شرح مالیہ بنگال" (Analysis of the Finances of Bengal) میں معلومات کا ایک وافر ذخیرہ موجود ہے گو اکثر مواقع پر مطالب مہمل اور نتائج ناقابل یقین ہیں لیکن گورنر جنرل کو مسٹر شور جو بعد میں لارڈ ٹین ماؤتھ (Lord Teignmouth) بن گیا ایک ایسا زبردست ساتھی ملا جسے بنگال و بہار کے لگان اور مالگزاری کے طریقوں سے ایک صحیح وسیع اور گہری

واقفیت تھی۔ شور کی یادداشتیں بہت طویل ہیں چنانچہ اس کی ایک یادداشت مورخہ جون ۱۷۸۹ء پانچ سو باسٹھ دفعات پر حاوی ہے اور گنجان چھپائی کے تقریباً نوّے صفحات پر مشتمل ہے۔ کسی شخص کے لیے اس قسم کی یادداشت کا لکھنا اس وقت تک ممکن نہ تھا جب تک کہ اُسے اس صوبے کے گزشتہ و موجودہ حالات پر کامل عبور حاصل نہ ہو۔

شور کے بہت سے مشاہدات، دلائل اور نتائج آج بھی ایسے ہی درست اور ناقابل الزام معلوم ہوتے ہیں جیسے کہ وہ ٹھیک ایک صدی قبل تحریر کے وقت سمجھے جاتے تھے۔ ہندوستانی کیرکٹر اور میلان طبع پر اس کے خیالات زمانۂ حال کے موافق ہیں۔ جس شخص نے نفس مضمون پر اس مستند کتاب کو غور و خوض کے ساتھ نہ پڑھا ہو وہ زمینداری بنگال کے اصل اصول کو سمجھنے کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ مقامی محاوروں اور اصطلاحوں کے ناگزیر اندراج کے باوجود اس کتاب کی زبان صاف اور واضح ہے اور گورنر جنرل نے ایک سے زائد مرتبہ شایستہ الفاظ میں اس کتاب یا موزوں طور پر یہ سمجھنا چاہیے کہ ان رسائل کے مصنف سے اپنے رہین منت ہونے کا اظہار کیا گو اُس کو شور سے چند ضروری امور میں اختلاف تھا۔

مختلف اوقات میں مستعد اینگلو انڈین ماہرین کے درمیان اُن لوگوں کی اصلی حیثیت اور حقوق کی بابت جن کو انگریز صوبہ جات شیبی میں زمیندار کہتے ہیں بہت کچھ مباحثہ رہا ہے۔ بعض نہایت قابل حکام کی رائے ہے کہ ابتدا میں یہ زمیندار کئی قسم کے تھے۔ اکثر اوقات یہ قلیل مدت کے لیے محض گماشتے بنے رہتے تھے جنہیں سرکاری محصول جمع اور ادا کرنے کا حق حاصل تھا۔ اس جماعت کے متعلق ایک بہت مشہور نقل سوانح لنڈسیاں (Lives of the Lindsays) میں درج ہے۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے ایک ملازم آنریبل رابرٹ لنڈسے نے یہ معلوم کر کے کہ ایک ہندوستانی کلکٹر گنگا گوبند ضلع سلہٹ کا محصول وصول کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا ہے بذات خود پیش ہو کر محصول جمع کرنے کے حق کی درخواست کی اگرچہ مجلس ڈھاکہ نے اس کی مخالفت کی لیکن وارن ہیسٹنگز نے اس درخواست کو منظور کیا اور اس طرح ہاتھیوں کو پکڑنے اور کلکتے کے بازارات میں نارنگی اور

لیمو مہیا کرنے کا اجارہ پاکر اس نے جائز طور پر بڑی دولت حاصل کی۔ اس زمانے میں اس قسم کا کاروبار بالکل شایستہ اور باوقعت سمجھا جاتا تھا۔

دوسری صورتوں میں ہندوستانی محصول گیرندہ جس کا تقرر پہلے پہل ڈھاکے اور مرشد آباد کے مسلمان نوابوں کی طرف سے عمل میں آیا تحصیل وصول کا حق اپنے بیٹے یا جانشین پر منتقل کرسکتا تھا اور چونکہ یہ خدمت اس طرح موروثی ہورہی تھی اس لیے اصولاً اس کو حقوق مفوّض سے تعبیر کیا گیا۔ لیکن بنگال کے قدیم زمیندار امرا کے نمایندوں کو محصول جمع کرنے کا کام تفویض کرنا اکثر ایک عمدہ مصلحت ثابت ہوئی اور شور خصوصیت کے ساتھ اس بات کا ذکر کرتا ہے کہ بنگال اور بہار کے صوبے ہاتھ آنے کے وقت محصول کی بابت دس لاکھ کی رقم بردوان، راج شاہی دیناپور، ندیا، بیربھوم، بشنوپور اور جیسر کے راجوں کی زمینداریوں سے ادا کی گئی تھی۔ ان نمایندوں میں سے بعض آج اچھی جائدادوں کے مالک ہیں۔ بردوان سب سے بڑی اور نہایت ترقی پذیر ریاست ہے لیکن ندیا اور جیسر کی ریاستیں شور کے تسلیم کردہ راجوں کی اولاد کے قبضے میں ہیں۔ راج شاہی سے مراد ناٹور کی ریاست ہے جو اب وسعت حدود اور دولت میں بہت کچھ گھٹ گئی ہے۔ بیربھوم اور بشنوپور کے زمیندار بدانتظامی، ملازموں کی بددیانتی، فساد اور عام کمزوری کے باعث تقریباً افلاس میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ ۱۷۹۰ء میں یہ خیال کیا گیا تھا کہ انگریز اُن زمینداروں کے ساتھ کوئی بندوبست عمل میں لائیں گے جنہیں بہ اعتبار نسل، قدامت یا حق و رواج سینکڑوں اور ہزاروں کاشتکاروں سے محصول وصول کرنے اور حکومت کو اس کا واجبی حصہ یا مالگزاری کا حساب دینے کی عادت پڑی ہوئی تھی۔

مختلف زمانوں میں یہ کہا گیا ہے کہ کارنوالس نے ایسے زمینداروں کی نسبت جن کے ساتھ اس نے مالگزاری کا بندوبست کیا تھا مالکان اراضی ہونے کا اعلان کیا اور خاص اپنے الفاظ میں ان کو اپنی زمینوں پر قابض ہونے کا یقین دلایا اور اس نفع کو جو زمینوں کی ترقی سے حاصل ہو ملکیت کے ایک غیر مشروط اور مخصوص حق کے ساتھ جیسا کہ انگلستان میں انگریز اس کا مفہوم لیتے ہیں اس نے

ان کے حوالے کرنے کا ارادہ کیا اور حوالے کر بھی دیا۔ لیکن کسی لحاظ سے بھی حقیقتِ حال یہ نہیں ہے۔ اس کی یادداشتوں اور مراسلوں کی عبارت سے نیز اس کی قانون سازی سے یہ بات بالکل عیاں ہے کہ اس نے زمینداروں کے کامل حق ملکیت کو نہیں بلکہ محض ایک محدود حقیت کو تسلیم کیا۔ اُسے صاف طور پر اپنے مشاہدے کا احساس تھا اور وہ زمینداری میں دوسرے لوگوں کے مفاد اور حقوق کی نگہداشت کے لیے مستعد رہتا تھا لہذا اس کے ان الفاظ کو جن میں وہ زمینداروں کو مالکانِ اراضی کہتا ہے مشرقیوں کے مفہوم میں لینا چاہیے نہ کہ انگریزوں کے۔

وہ ملک کے عام قانون سے جو صدیوں سے رائج تھا عملاً زیادہ واقف نہ ہو سکا۔ سرجارج کیمبل نے جسے پنجاب، صوبجات بالائی، اودھ اور بنگال میں ملکیت زمین سے متعلق واقفیت حاصل کرنے کے مواقع ملے ہیں چند سال پہلے یہ بیان کیا تھا کہ ہندوستان میں زمین ایک ایسی ملکیت ہے جس میں دو اور دو سے زیادہ فریق بالکل واضح، جدا اور مستقل اغراض رکھتے ہیں اور اس اصل حقیقت سے بے پروائی اور غفلت کرنے کے باعث موضوع زیر بحث میں پیچیدہ اور غلط الفاظ کا زیادہ تر استعمال ہوا ہے۔ جو سرکاری ملازم ۱۸۵۹ء کے اصلاحی قانون کی ترتیب میں شریک رہے یا جنہوں نے اس زمانے سے قبل صوبہ جات شیبی کے قوانین اراضی و مالگزاری کے نفاذ میں رعایا کا جائز طرز عمل دیکھنے کی کوشش کی اور جنہوں نے زمینداروں کے حقوق محدود ہونے پر اصرار کیا ان سب کو غالباً اس بات کا یقین ہے کہ اس آخری نظریے کو مشہور "شرح" کے مصنف جان ہربرٹ ہیرنگٹن نے پسند کیا۔ اس کی کتاب جو ۱۸۰۵ء اور ۱۸۲۱ء کے درمیان شایع ہوئی مدت دراز تک غیر مطبوعہ حالت میں پڑی رہی البتہ بہت سی قانونی دفعات کی جگہ جن کو حیرت انگیز سلاست وصحت کے ساتھ مشرح طور پر بیان کیا گیا تھا بہتر قوانینِ مابعد نے لے لی۔ لیکن انگریزوں کے طریق انتظام کی تدریجی دخل یابی، مسلمان صوبہ داروں کی ہولناک میراث، تحصیل مالگزاری کی پیش آمدہ مشکلات اور تنظیم و قانون کا اجرا ان امور کو اگر کوئی تاریخ قدیم کا طالب علم یا ملازم دیوانی جس کی صوبہ جات شیبی میں حالیہ تصفیاتی عمل میں آئی ہو کامل طور پر سمجھنے کی خواہش کرے تو اس کو ہیرنگٹن

کی "شرح" کا غور و خوض کے ساتھ مطالعہ کرنا ضروری ہے۔

ہیرنگٹن کی "شرح" قانون ہند کے لیے ایسی ہی کتاب ہے جیسی کہ کوک آن لٹلٹن (Coke on Littleton) قانون انگریزی کے لیے ہے۔ جلد سوم کے ایک حصے میں جس میں مالگزاری کا ذکر کیا گیا ہے کرنل ولکس (Colonel Wilks) کے ساتھ ایک مباحثے کے بیان سے جان پڑ گئی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس نے "جنوبی ہند کے تاریخی حالات" جو ایک بہت قابل قدر کتاب ہے لکھتے وقت بنگال کی ملکیت زمینداری کو بالکل نہیں سمجھا۔ کرنل ولکس کے نزدیک جو بات عقدۂ لاینحل تھی ہیرنگٹن نے اسے صاف اور سلیس طور پر بیان کر دیا ہے۔ ہیرنگٹن شور کا حوالہ دیتے ہوئے ابتدا اس طرح کرتا ہے: "نہایت سرسری مشاہدے سے اس ملک میں صورت واقعات کا نرالا انتشار ظاہر ہوتا ہے۔ حکومت سے زمیندار کا اور زمیندار سے رعیت کا تعلق، حقیت دار اور نہ اجارہ دار کی طرح ہے بلکہ دونوں کا مجموعہ ہے۔ سابق الذکر اختیاری امور کو انجام دیتا ہے جن کا حق ملکیت سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا۔ موخر الذکر بغیر اصلی جائیداد کے حقوق رکھتا ہے اور ایک کی جائیداد اور دوسرے کے حقوق بڑی حد تک اختیار تمیزی پر موقوف ہیں۔ یہی طریقہ تھا جو ہم نے معلوم کیا اور جس کو ناگزیر طور پر ہم تسلیم کر چکے ہیں۔ مجھے اندیشہ ہے کہ کوئی ایسا آئین جو اپنے تمام جزدیات میں کامل یکسانی رکھتا ہو نافذ کرنے اور حکومت سے زمیندار کے اور زمیندار سے رعیت کے مخلوط تعلق کو زمیندار اور اجارہ دار کے سیدھے سادے اصول کے سانچے میں ڈھالنے کے لیے ہمیں بڑی مدت درکار ہوگی"۔ اس کے بعد ہیرنگٹن خود سلسلۂ کلام کو جاری رکھتے ہوئے کہتا ہے کہ اس تمام الجھن کی جو ہندوستان میں ملکیتِ زمین سے متعلق مباحث میں پیدا ہو گئی ہے یہی اصل بنیاد ہے۔ "اس پیچیدہ طریقے کو جو ہم نے اس ملک میں دیکھا ہمارے ملک کے زمیندار اور اجارہ دار کے سادے اصول پر منطبق کرنے کی کوشش میں اور خاصکر ہندوستانی طریقے کو موزوں اور واضح مفہوم کے الفاظ سے تعبیر کرنے میں جو بڑی کشاکش کے بغیر ٹھیک طور پر اس سے کوئی نسبت نہیں رکھتے یہ الجھن اگرچہ مجموعی طور پر نہیں تاہم جس قدر بھی نفس مضمون سے متعلق ہے نشو و نما ہو گئی ہے"۔ وہ آگے چل کر زمیندار کی حیثیت کو جیسا کہ انگریزوں

نے اُسے پایا حسب ذیل عبارت میں بیان کرتا ہے۔ اس عبارت میں متوازن تضاد، محدود و صریح الفاظ کے ذریعے حقوق کا اعتراف اور پریشان کُن اختلافات کا خوشگوار حل درج ہے۔ ان باتوں کے اعتبار سے عبارت مذکور کے مقابلے میں غالباً اس قسم کے مضمون کی کسی یادداشت، سرکاری تحریر یا اعلان کو فوقیت حاصل نہیں ہوئی ہے۔

"زمیندار ایک عجیب ہئیت کا مالک اراضی نظر آتا ہے جس کی تعریف ہماری زبان میں کسی ایک فقرے سے نہیں ہوسکتی۔ وہ رعایا اور دوسرے زیردست اسامیوں سے ریاست کی مالگزاری وصول کرتا ہے۔ اُسے وراثتاً اپنا حق زمینداری حاصل کرنے کی اجازت ہے تاہم اُسے فرمانروا یا اس کے نمایندے سے بالعموم اپنے منصب کی تجدید کرانے کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ کام شاہنشاہ کو ایک پیش کش گذراننے اور اپنے صوبے کے پیشکار "ناظم" کو نذرانہ یا تحفہ دینے پر انجام پاتا ہے۔ وہ بیع یا ہبہ کے ذریعے اپنی زمینداری منتقل کرنے کا مجاز ہے مگر عموماً اس بارے میں خاص منظوری پہلے سے حاصل کرنے کی اس سے توقع کی جاتی ہے۔ اُسے عام طور پر اپنی زمینداری سے سرکاری محصول وصول کرنے کے لیے ہر سال ٹھیکہ دار ہونے کا حق حاصل ہے تاہم اُسے زمین یا رقم کے محدود انتظام کے ساتھ الگ کیا جاسکتا ہے جب کہ حکومت یہ چاہتی ہے کہ علیحدہ کارکُن کے توسط سے محصول وصول کیا جائے یا عارضی یا مستقل طور پر کسی جاگیر کی منظوری کے ذریعے اس کا تعین ہو۔ اُسے بنگال میں موجودہ صدی کے اوائل سے اختیار دیا گیا ہے کہ وہ اپنی زمینداری کے اندر پرگنوں، دیہاتوں اور چھوٹے چھوٹے زمین کے قطعوں میں صوبہ دار کے عائد کردہ ابواب کی تقسیم کرے بالعموم اُس تناسب کے ساتھ جو ٹوڈرمل اور دوسروں کے نافذ کردہ معیّن محصول زمینداری کے مشابہ ہو لیکن یہ اختیار سرکاری حکام کے حسب منشاء ایسی مداخلت پر مشروط ہے جو مخصوص علاقوں میں محصول کی رقم کو یکساں کرنے یا ان قبیح امور کو جو رعیت کے حق میں ظلم و تعدی کا باعث ہوں دور کرنے کے لیے کی جائے۔ وہ اس اتفاقی آمدنی کا مستحق ہے جو اسے میعادِ معاہدہ کے دوران میں اپنے اجارے کی بدولت حاصل ہوئی ہو لیکن اپنی ملکیت زمین کے قوانین کی رُو سے اُسے اپنی وصول یابیوں

کا صحیح حساب پیش کرنا پڑتا ہے۔ انھیں قوانین کی بنا پر وہ اپنے مقبوضہ علاقے میں امن قایم رکھنے کا ذمہ دار ہے لیکن بظاہر اُسے اس امر کی بھی اجازت ہے کہ کسی کو محض گرفتار کرکے مقدمے کی تحقیقات اور سزا کے لیے مسلمان ناظم عدالت کے حوالے کردے۔ مغلیہ دستور و عمل ودرآمد کے تحت زمیندار کے متعلق مختصر طور پر یہ میرا موجودہ خیال ہے۔"

یہ رائے ہے اُس نوجوان عہدہ دار مال کی جس کی تربیت ہیسٹنگز کے طریقے پر ہوئی تھی اور اس کے اٹھائیس سال بعد اس نے اپنے پختہ تجربے کی بنا پر اپنے خیال میں تبدیلی کی کوئی وجہ نہیں دیکھی لیکن اسی وقت وہ زمیندار کی حیثیت اور حقوق کے تغیرات کو بیان کرتا ہے جو "دوامی بندوبست" کے باعث پیدا ہوگئے تھے۔ محکوم تعلقداروں، کسانوں اور دیگر کاشتکاروں کی حفاظت کے متعلق حکومت نے کے لیے جو اختیارِ قانون سازی محفوظ ہے اُس پر نظر ڈال کر وہ کہتا ہے کہ اب زمیندار کو یہ آزادی حاصل ہے کہ پیداوار کا حصہ (جو حکومت کا حق ہے) اور اپنا خاص زرلگان ان دونوں کے امتیازی حصے کو وہ اپنے ذاتی استعمال کے لیے مخصوص کرلے ۱۷۹۳ع سے قبل اس حصے کی جو مقدار تھی اب تخمینے میں اس سے سہ چند زیادہ ہوگئی اور اسی اضافے اور فائدے کا خیال کرکے ہیرنگٹن زمینداروں، تعلقداروں اور تمام مالکانِ اراضی کو خواہ وہ کسی نوعیت کے ہوں، عام معنی میں حقیت داراں، تسلیم کرلینے کے لیے آمادہ تھا۔

دوسرے ضروری خاص اُمور میں ان کی حیثیت بہتر اور مسلّم تھی۔ وارثوں اور جانشینوں کو آیندہ اپنے حق وراثت یا جانشینی کی توثیق کے لیے کوئی علیحدہ سند لینے کی ضرورت داعی نہ ہوتی تھی۔ ان سے سابق پیش کش یا نذرانہ گزراننے کی توقع نہیں کی جاتی تھی کسی جائیداد کو فروخت یا منتقل کرنے کے لیے وہ اجازت کے محتاج نہ تھے۔ آیندہ جب تک کہ مالگزاری پابندی کے ساتھ پوری ادا ہوتی رہے زمینداری کے انتظام سے عارضی یا مستقل طور پر زمیندار کی علیحدگی عمل میں نہیں آسکتی تھی چونکہ وہ جدید یا مزید ابواب کے بارے سے نجات پاچکا تھا اس لیے اپنی رعیت پر اس قسم کا کوئی محصول لگانے سے باز رہنا اس کے لیے ضروری تھا۔

لیکن آیندہ وہ آمد و خرچ کے حسابات پیش کرنے کا ذمہ دار نہ تھا اس موقع کے سوا جبکہ مشترک حصہ داروں کے درمیان کسی جائیداد کی تقسیم پر سرکاری مالگزاری مشخص کرنے کی ضرورت ہوتی تھی۔ آخر میں پولیس کا انتظام بھی اس کی تحویل سے نکال لیا گیا اور صرف یہ توقع کی گئی کہ قیام امن کے ساتھ ساتھ جرایم اور سخت مظالم کی اطلاع دہی کے ذریعے وہ حکومت کے انتظامی عہدہ داروں کی مدد کرے۔

سلطنت مغلیہ کے زمانے میں اور کلائیو، ویری لسٹ (Verelst)، کارٹیر (Cartier) اور ہیسٹنگز کے دورِ حکومت میں زمیندار کا جو درجہ تھا اس کو ہیرنگٹن نے جس طرح پہلے بیان کیا تھا اسی طرح اس نے قانون کارنوالس کے تحت اس کی نئی حیثیت کی توضیح کی جو یہ تھی۔ وہ ایک زمیندار تھا جس کے قبضے میں زمینداری کی جائیداد تھی جو موروثی ہوتی تھی اور بیع یا ہبہ کے ذریعے منتقل ہو سکتی تھی لیکن ان تمام صورتوں میں مقررہ سرکاری لگان اس پر برقرار رہتا تھا۔ یہ لگان ادا کرنے کے بعد زمیندار اس بات کا مجاز تھا کہ کوئی زائد لگان یا منافع اپنے لیے مخصوص کر لے جو قانوناً اسے اپنی زمینداری کی شکمی رعیت سے یا غیر مقبوضہ اراضی کی کاشت و ترقی سے وصول ہو سکے۔ لیکن بایں ہمہ وہ ان شرائط اور قواعد کا پابند تھا جو پہلے سے قایم تھے یا جو حکومت برطانیہ بعد کو اس غرض سے نافذ کرے کہ مختلف النوع رعایا اور شکمی کاشتکاروں کے حقوق کی حفاظت ان کی متعلقہ ملکیتِ اراضی میں ہو اور انہیں ناجایز دست درازی یا ظلم سے بچایا جائے۔

کارنوالس کے پیش نظر دو بالکل واضح مقاصد تھے۔ وہ چاہتا تھا کہ زمین کی کاشت کے ذریعے زیادہ آمدنی مالگزاری کی امید پر زمینداروں کو مالکانِ اراضی تسلیم کیا جائے نیز یہ کہ جو بندوبست ان کے ساتھ دس سال کے لیے ہوا ہے اس کے دوامی ہونے کا اعلان کیا جائے اور وہ ہمیشہ کے لیے مقرر ہو جائے۔ یہاں ایک بات ایسی درپیش تھی جس میں وہ شور سے اختلاف رکھتا تھا اور اس بارے میں اس زمانے کی یادداشت اور سرکاری وثیقوں کے ایک بڑے حصے پر طویل بحثیں ہوئیں۔

مختصراً یہ کہ شور کی رائے یہ تھی کہ استعداد زمین کی ٹھیک طور پر تحقیق نہیں ہوئی ہے۔ ہمارے یہاں لگان، حقیت اراضی اور زرعی مفاد کے وسیع اور پیچیدہ مضامین کا کافی علم رکھنے والے لوگوں کی کوئی جماعت نہیں ہے۔ رعایا سے محصول وصول کرنے میں زمینداروں کی زیادہ ستانی کے باعث بڑی بڑی خرابیاں پھیلی ہوئی ہیں۔ وسیع زمینداریوں کا رقبہ گھٹانا اور چھوٹے درجے کے مالکان اراضی کی تعداد بڑھانا مناسب ہے اور ان مقاصد کی تکمیل بغیر وقت اور محنت کے نہیں ہو سکتی۔ حاصل کلام یہ کہ ایک ناقابل تنسیخ بندوبست دوامی کی ذمہ داری لینے سے قبل کچھ مدت تک انتظار کرنا فراست و مصلحت پر مبنی ہوگا۔ ان امور کے متعلق لارڈ کارنوالس کا جواب یہ تھا کہ ہمیں اس وقت اور نہ دس سال کے اختتام پر عہدہ داروں کی کسی ایسی جماعت کی ضرورت ہے جو اس قسم کی دقیق اور پیچیدہ تفصیل میں پڑے۔ صوبے کا ایک بہت بڑا حصہ ویران جنگل ہے اور دوامی بندوبست ہی زمینداروں کی تسلی، زراعت کی ترقی اور حکومت کے استحکام کا باعث ہوگا۔ اس جگہ ایک امر کا ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے جو گذشتہ کئی سال سے سہولت یا غفلت کی بنا پر نظرانداز ہو گیا ہے اور وہ امر یہ ہے کہ اس زمانے میں زمیندار کا حصہ اس کی کل آمدنی کا ۱/۱۰ شمار ہوتا تھا۔ باقی ۹/۱۰ حصہ حکومت کو ملتا تھا۔ اگر کوئی زمیندار تنقیح کے بعد کسی ضلع کی مالگزاری جمع کرنے سے انکار کرتا اور دوسرا آدمی گماشتۂ تحصیل مقرر ہوتا تو علیحدہ شدہ زمیندار کے لیے صرف دس فی صد حق التحصیل الگ رکھا جاتا تھا اور اسی قاعدے پر نابالغوں اور عورتوں کے معاملے میں عمل ہوتا تھا۔ شور کی یہ پیش بینی تھی کہ مجوزہ جمع بندی کی توثیق پر شاید زمیندار کا منافع تقریباً پندرہ فی صد تک پہنچ جائے گا۔ یہ بیان کرنا ضروری ہے کہ موجودہ زمانے میں جہاں ہمیں زمینداروں کے خالص منافع کا کامل یقین نہیں ہے وہاں ہم صحیح طور پر یہ نتیجہ بھی اخذ کر سکتے ہیں کہ بہت زیادہ صورتوں میں وہ شور کے متوسط تخمینے سے بڑھ جاتا ہے۔

ایک اور ضروری امر شور اور کارنوالس کے مابین تصفیہ طلب تھا۔ بعض ایسے اندرونی ابواب تھے جو زمینداروں کی جانب سے عائد کیے جاتے تھے۔ ان ابواب میں سے چند سائر اور راہداری کے نام سے مشہور تھے اور چند اس محصول پر

مبنی تھے جو ملک کی تھوک فروشی اور خردہ فروشی کے بازاروں میں سامان فروخت شدنی پر لگایا جاتا تھا۔ اس موقع پر ان ابواب کی تفریق کا طویل تذکرہ ضروری نہیں ہے گو اُس کا علم زمانۂ حال کے نوجوان ملکی عہدہ دار کے لیے لازمی سمجھا جاتا ہے۔ اس کا ماحصل مختصر طور پر یہ ہے: "سائر" کا محصول گویا مقامی اور بے قاعدہ مطالبۂ رقم تھا جو زمیندار اپنے علاقوں میں خشکی و تری کے راستوں سے گزرنے والے مال و اسباب پر عائد کرتے تھے۔ "راہ داری" کی نوعیت بھی بالکل اسی قسم کی تھی۔ اس لفظ کے ٹھیک معنی مال و اسباب کے گزرنے کی اجازت دہی کے ہیں۔ راہ داری ایک قسم کا محصول تھا جو حفاظت و آزادی کے بارے میں وصول کیا جاتا تھا۔ ابواب کی یہ دونوں اقسام ۱۷۹۰ء اور ۱۷۹۳ء کے قوانین کی رُو سے باضابطہ موقوف کی گئیں۔

اس تاریخ موقوفی کے بعد اگرچہ ظالم اور دست دراز زمینداروں نے بنگال کے ہر حصے میں کبھی کبھی مذکورۂ بالا ابواب کا محصول لگایا جیسا کہ اُن لوگوں کے حافظے اور علم کی مدد سے پتہ چلتا ہے جو ابھی تک بقید حیات ہیں لیکن قاعدہ یہ چلا آرہا ہے کہ ابواب کی رقم جمع کرنے کے لیے زمینداروں کے اختیارات مزروعہ زمینوں، ماہی گیری کی جگہوں اور چراگاہوں کے محصول کی وصول یابی تک نیز جھاڑیوں اور جنگلوں کی قدرتی پیداوار کی تحصیل تک محدود ہوتے ہیں۔
اب آگے چل کر اُس محصول کے متعلق کچھ بیان کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے جو زمیندار اپنے علاقوں سے گزرنے والے اور ایک زمینداری یا پرگنے سے دوسرے کو منتقل ہونے والے مال و اسباب پر نہیں بلکہ ایسے سامان پر عائد کرتے تھے جو بغرض فروخت بعض دُور دراز مقامات پر لایا اور رکھا جاتا تھا۔ ان مقامات کو شورلتے گنج بازار اور ہاٹ کے ناموں سے موسوم کیا جو آج تک مستعمل ہیں۔ "گنج" تھوک فروشی کا ایک بازار ہوتا ہے لیکن اس قسم کے بازاروں میں چھوٹے چھوٹے تاجر خردہ فروشی بھی کیا کرتے ہیں۔ ایسے چند گنج کی جو بڑی بھاری تجارت کے مرکز ہیں مشہور مثالیں سراج گنج (پبنا)، نالچھٹی (Nalchiti) (باقر گنج) اور نارائن گنج (ڈھاکہ) ہیں۔ بازار دس بیس پچاس یا اس سے زیادہ مکانوں اور دکانوں کے مجموعے کا نام ہے جہاں تمام اشیائے مایحتاج فروخت کے لیے ہوتی ہیں۔

ہاٹ سے مُراد وہ مقام ہے جہاں عموماً ہفتے میں دو خاص دن ترکاریاں، میوے، اور ضروریات زندگی بغرض فروخت رکھی جاتی ہیں۔ بعض اوقات ہر مستقل بازار ہندرھویں دن اپنی دُکانیں یا ہاٹ قائم کرتا ہے۔

لیکن اکثر و بیشتر ہاٹ ایک کھُلے مقام پر بھرتا ہے جہاں کسی قسم کی کوئی مستقل عمارت نہیں ہوتی۔ ایسے مقامات پر ہاٹ کے مقررہ ایام میں دو ہزار بائع و مشتری کی آوازوں کا شور و غل رہتا ہے۔ غیر ایام میں ہاٹ ایک خاموش، غیر آباد خالی مقام نظر آتا ہے۔ جب ہم اُس غیر مشروط ملکیت کے مسئلے پر جس کا مطالبہ زمینداروں کے لیے ہوتا ہے غور کرتے ہیں تو یہ بات نہایت واضح ہوجاتی ہے کہ کاغذات میں بہت کچھ بحث اس نوعیت کی موجود ہے کہ گنج، بازار اور ہاٹ زمینداروں سے کامل طور پر نکال لیے جائیں اور ان کے علاقوں سے علیحدہ کردیے جائیں۔ بعض حلقوں میں یہ خیال حقیقتہً پھیلا ہوا تھا کہ زمینداروں کے حقوق و اختیارات صرف مزروعہ زمینوں، چراگاہوں، ماہی گیری کی جگہوں اور جنگلوں تک محدود ہوں گے۔

صوبے کے بعض حصوں میں زمینداروں نے گنج پر کوئی استحقاق نہیں جتایا۔ شور ان لوگوں کی مثالیں پیش کرتا ہے جو حقوق زمینداری کے بغیر گنج اور بازار کے مالک بن بیٹھے تھے۔ آخر کار تینوں قسم کے بازار اُن زمینداروں کے حوالے کیے گئے جن کے علاقوں میں وہ پائے جاتے تھے اور آج تک زمینداروں کے حقوق و اختیارات میں جو حق کہ انہیں ایک نیا ہاٹ یا بازار قائم کرنے کا حاصل ہے اس سے زیادہ قابل قدر اور اکثر زیادہ سود مند اُن کا کوئی اور حق ثابت نہیں ہوا۔ فی الحقیقت زمانۂ حال تک زبردست حقیت دار کسی رقیب کو تباہ کرنے اور اس کے بائع اور مشتری کو اپنی طرف کھینچنے کے صریح مقصد سے بازارات قایم کرتے رہے ہیں اور اس قسم کی کارروائیوں کے باعث کوئی تیس چالیس سال قبل بلوے، لڑائیاں، کشت و خون اور بہت سی مقدمہ بازیاں ہوتی رہیں۔

ہمارے نزدیک کارنوالس کی فراست کی یہ کوئی اہانت نہیں ہے کہ اُسے بنگال و بہار کے کسی ضلع کی اندرونی حالت کا ایسا صحیح علم نہ تھا جیسا کہ شور کے دل و دماغ میں موجود تھا۔ لیکن یہ بھی ظاہر ہے کہ کارنوالس نے صوبے کے طریقِ زراعت و مالگزاری کے متعلق بعض اہم مسائل کو کامیابی کے ساتھ سمجھنے

کی کوشش کی تھی اور جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے اس نے کسی طرح بھی یہ ارادہ نہیں کیا کہ ساری زرعی اور دیہاتی جماعت کو اعلیٰ زمینداروں کے حوالے کیا جائے تاکہ یہ زمیندار ٹھیکے کی شرائط اور طلب و رسد کے معاشی اصول کے تحت اس سے کاروبار کریں۔ اِس امر کے ثبوت کے لیے ہمیں صرف اس کی یادداشتوں اور ضابطوں کا غور و خوض کے ساتھ مطالعہ کرنا چاہیے۔ وہ کمتر درجے کے حقیت داروں کی تعداد بڑھانے کی تائید میں تھا کیونکہ اس کا یہ خیال تھا کہ ان کا انتظام نسبتہً بہتر ہے۔ اُس نے چند کم رُتبہ تعلقداروں کے اس اختیار کو تسلیم کیا کہ وہ اعلیٰ زمیندار کے توسط کی بجائے براہ راست حکومت کے خزانے میں مالگزاری ادا کیا کریں۔ ایسے تعلقے مالگزاری کی اصطلاح میں "حضوری" کہلاتے تھے جو شکمی تعلقوں سے جداگانہ نوعیت رکھتے تھے۔

کارنوالس نے یہ اصول قایم کر دیا کہ زمیندار صرف مروّج یا مقررہ لگان پا سکتا ہے اور اُسے اپنی زمین دوسرے کو دینے کی واحد غرض سے کسی کاشتکار کو بھی بے دخل کرنے کا حق نہیں ہے۔ اس نے اس بات پر زور دیا کہ زمیندار اُس رقم کا تعین کر کے پٹے عطا کریں جو رعایا کے ذمے واجب الادا ہوتی ہے خواہ ایسی رقم کا مطالبہ کسی قاعدے یا طریقے کی بنا پر کیا جائے۔ زمیندار کی عائد کردہ ہر رقم سوائی کو جسے ابواب کہتے تھے کارنوالس نے معاہدہ شکنی اور ملک کے نافذ شدہ قوانین کی صریح خلاف ورزی سے تعبیر کیا۔

اس نے خصوصیت کے ساتھ حکومت کا یہ حق محفوظ رکھا کہ وہ بعد تحقیقات ایسی زمینوں کو واپس لے لے جو دینی و دنیوی اغراض کے لیے مقربوں، برہمنوں جوتشیوں، پجاریوں اور دوسرے فرقوں کو دی گئی ہوں اور ضابطے یا قانون کی ایک دفعہ جو اس قسم کے نظریوں پر مشتمل ہے اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ جس طرح حکمران طاقت کا یہ فرض ہے کہ وہ نادار فرقوں کی دستگیری کرے اسی طرح گورنر جنرل باجلاس کونسل جب کبھی مناسب خیال کرے ایسے قوانین نافذ کرے جن کو وہ محکوم تعلقداروں، رعایا اور دوسرے کاشتکاروں کی فلاح و بہبود اور حفاظت کے لیے ضروری سمجھے۔ متعدد اور طریقوں سے زمیندار کے اختیارات

کی حد بندی کی گئی۔ اگرچہ اُسے اپنی جائیداد رہن رکھنے یا فروخت کرنے کی اجازت تھی تاہم اس قسم کے معاملے سے وہ سرکاری مالگزاری کے وصول ہونے میں کوئی اندیشہ پیدا نہیں کرتا تھا۔

اگرچہ خانگی طور پر جائیدادوں کی فروخت زیادہ نہیں تھی لیکن مشترک حقیت داروں کے حصے علیحدہ کرنے پڑتے تھے اور یہ علیحدگی جس سے اولاً یہ مُراد لی گئی کہ ہر ایک حصہ دار اپنا لگان ایک علیحدہ گماشتے کے ذریعے جمع کرتا ہے آخر میں زمینداریوں کی تقسیم پر منتج ہوئی۔ بعد کو کلکٹر کا یہ فرض ہوگیا کہ وہ ہر ایک علیحدہ زمینداری کے متعلق جو کئی دیہات پر مشتمل ہوتی تھی اس بات کی نگرانی کرے کہ آیا اس پر مالگزاری کی مناسب رقم عائد کی گئی ہے اور آیا خانگی حیثیت سے انتقالِ اراضی یا سرکاری طور پر اس کی تقسیم دونوں صورتوں میں کلکٹر کے طریق عمل سے حکومت کے مفاد کی موثر پیرائے میں حمایت کی گئی ہے۔ جب تک اس شخص کی منظوری کسی خاص معاملے میں نہ ہوتی تھی اس وقت تک ساری اصلی جائیداد پر سرکاری محصول کے ادا دینے کی ذمہ داری رہتی تھی۔

۱۷۹۳ء کے نافذ شدہ قانون کے بعد کچھ مدت تک زمینداروں کو قانوناً ممانعت تھی کہ وہ پٹے یا شکمی داریاں میعادِ مقررہ سے زیادہ کے لیے عطا نہ کریں۔ یہ بتایا جا چکا ہے کہ زمیندار اچھے اور بُرے سال دونوں میں برابر کا شریک تھا اور چونکہ اس پر مالگزاری کا اضافہ عائد نہیں ہوتا تھا اس لیے اُسے امساکِ باراں یا قحط میں تخفیف مالگزاری کی کوئی توقع نہ تھی۔ جب کسی جائیداد کا عام نیلام ہوتا تو جدید خریدار اس نئے علاقے کو اپنے پیش رو کا کوئی تازہ قرضہ ادا کیے بغیر حاصل کر لیتا۔ ہماری حکمرانی کے بعض دوروں میں بہت سی عیارانہ دغابازیوں کی کوشش کی گئی چنانچہ زمینداروں نے جنہیں ذمہ داری کا بار اٹھانے یا شکمی کاشتکاریاں قایم کرنے کے لیے مدد مل چکی تھی قصداً اپنی زمینداریوں کو بقایا کی بابت نیلام ہو جانے دیا۔ اس کے بعد اپنے کسی زیردست یا تیسرے شخص کے نام سے ان کو خریدا اور کوشش یہ کی کہ خود اپنے لیے جو ذیلی حقوق قایم کیے تھے انہیں منسوخ کیا جائے۔ لیکن اس قسم کی کارروائی کا اصل کاشتکار حقیت دار یا کاشتکار پر کچھ اثر نہ پڑا اور اس کی حیثیت ایک حد تک اس قاعدے کی بنا پر محفوظ کر دی گئی کہ زمیندار باضابطہ

دیوانی مقدمے کے ذریعے چارہ جوئی کے بغیر معمولی لگان میں اضافہ کرنے کا مجاز نہیں ہے۔ کسی رعیت سے لگان کا تعین کرنا یا اس کو پرگنے یا اس کے قرب وجوار کے معیار کے مساوی کرنا ایک عام بات ہو گئی تھی۔ قانونی لگان جس سے انگریز ناظرین آئرلینڈ میں اس کے حالی نفاذ کے باعث اب خوب واقف ہو گئے ہیں ایک صدی پہلے سرزمین ہند کا دستور تھا۔ اس امر کا کبھی اظہار نہیں ہوا کہ محکمۂ عدالت کو رجوع کرنے کی ضرورت کس طرح آزاد اور غیر محدود ملکیت کے کسی اُصول کے مطابق ہو سکتی ہے۔

باایں ہمہ راجہ، زمیندار یا چودھری کی حیثیت کارنوالس کے دوران حکومت اور مابعد میں کئی لحاظ سے قوت، حقیت اور منفعت پر مرکوز تھی اور جو قانونی رعائتیں اس کے ساتھ روا رکھی گئیں یا جن امور کو عدالتی فیصلوں نے تسلیم کیا تھا ان کا اب کچھ ذکر کرنا ضروری ہے۔ وہ علاقہ جس کو انگریزی اصطلاح میں اکثر زمینداری یا تعلقے سے تعبیر کیا جاتا ہے بنگال میں صرف ایک قطعۂ زمین کا مراد ہے جس کی ٹھیک طور پر حد بندی کی جاتی ہے اور نہ کوئی صراحت ہوتی ہے البتہ اس پر مالگزاری کی ایک خاص رقم کے تادیے کا بار ڈالا جاتا ہے۔ اس سے مُراد صرف ایک گاؤں ہے یا دیہاتوں کا مجموعہ یا کئی دیہاتوں کے حصے یا ایک ریاست جو کسی انگریزی ضلع کے برابر ہوتی ہے۔ دفتر تحصیل کے رجسٹر میں ہر ایک علاقے کا ایک علیحدہ نشان ہوتا ہے اور بالعموم یہ تشریح کی جاتی ہے کہ وہ فلاں پرگنے یا چکلے میں واقع ہے۔ مالگزاری کی اصطلاح میں ایسے گاؤں جو کسی علاقے میں شامل ہوں مواضع کہلاتے ہیں۔ لفظ موضع، ایک عام متکلم اپنے اُس گاؤں کے لیے استعمال نہیں کرتا جس میں وہ مقیم ہے یا جسے اس نے اپنا وطن بنا لیا ہے۔ لیکن علاقے میں خواہ بڑا ہو یا چھوٹا زمیندار کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ ہر ایک پٹہ دار سے لگان کا مطالبہ کرے اور صرف وہی نئے پٹہ داروں کو زمینوں پر قبضہ دلا سکتا ہے۔ تمام افتادہ اور غیر مقبوضہ زمینیں اسی کی ملکیت ہیں۔ وہ مزدوروں کے ذریعے ان زمینوں کی کاشت کر سکتا ہے اور یہ کاشت شاذونادر ہی ہوتی ہے یا کبھی ہوتی ہی نہیں۔ یا وہ رعایا کی نئی جماعت

کو اس بات کی ترغیب دے سکتا ہے کہ اس کے زیر نگہداشت وہ وہاں قیام پذیر ہو، اپنے لیے مکانات تعمیر کرے، جنگل صاف کرے اور زمین جوتے۔ ایسی صورتوں میں مطلوب لگان پہلے پہل بہت کم ہوتا تھا۔ اُن زمینوں کا لگان فصل کی نوعیت کے لحاظ سے مختلف ہوتا تھا جن کی مدّت سے کاشت ہوتی رہی ہے۔ چاول کی فصلوں کے لیے جو بلند تر زمین پر بوئی جاتی تھیں لگان کی ایک واجبی شرح مقرر تھی اور جو فصلیں نشیبی زمین پر ہوتی تھیں ان کے لگان کی شرح بھاری تھی۔ پیداوار کی بہتر اجناس مثل نیشکر، تمباکو، پان پر مذکورۂ بالا دونوں قسموں سے زیادہ بھاری محصول عائد ہوتا تھا۔ باغوں اور ایسی قابل کاشت زمینوں کا محصول جہاں زمیندار کی سکونت بھی ہو عام طور پر سب سے بڑھا ہوا تھا۔ جو قطعات، قحط، ترک، یا موت کی وجہ سے خالی ہوتے تھے وہ سب از خود زمیندار کے حق میں منتقل ہو جاتے تھے۔ وہ مجاز تھا کہ اُن تمام لوگوں کے حقوق سے انکار کرے جو بہ حیثیت معافی دار چھوٹے چھوٹے قطعات پر قبضے کے مدّعی تھے اور عدالتی محکموں سے معافی دار پر کسی سابق وثیقے کے ذریعے جو اس قسم کی قوتِ حق کو ظاہر کرتا ہو جائز معافی کے ثابت کرنے کا بار پڑتا تھا۔ ایسے کاشتکاروں کے متعلق جنھوں نے کبھی اپنی اراضی کے لیے پٹّے یا حقوق حاصل نہیں کیے تھے اور نہ ان کے لیے درخواست کی تھی یہ قرار پایا کہ کوئی مدّت زمیندار کے مطالبۂ لگان کو نہیں روک سکتی۔ چونکہ وہ تاوئہ مالگزاری کا ذمہ دار تھا اس کے ادا کرنے کے لیے لگان کا مطالبہ وجۂ تحریک بن گیا اور کوئی ایسا زمانہ جس میں تادیے کا مطالبہ نہ ہوا ہو یا اس سے اجتناب کیا گیا ہو حق معافی نہیں پیدا کر سکتا تھا۔ اصولاً یہ سمجھا گیا کہ اکثر کاشتکار، اعلیٰ زمیندار کی اجازت کے بغیر اپنی اراضی کو بیع یا منتقل نہیں کر سکتے تھے۔

لیکن رعیت کی حیثیت کے بیان میں یہ بتایا جائے گا کہ عمل، اصول سے جداگانہ تھا۔ جنگل، افتادہ زمین، جھاڑ جھنکاڑ اور دلدل ان سب پر زمیندار کے یکساں واضح حقوق تھے۔ انہیں "بنکار" (جنگل کی پیداوار)، "جلکار" (ماہی گیری کا مقام)، "پھلکار" (شہد اور پھل)، اور "پھلکار" (زمین پر گری ہوئی چیزیں)، کہا جاتا تھا۔ زمیندار جب اپنی زمینداری پر روپیہ خرچ کرنے تُل جاتا تھا تو اس کے صَرف کی عموماً یہ

صورتیں ہوتی تھیں کہ وہ ایک نالہ بنا کر اس کے ذریعے ایک بڑی دلدل کو بہا سکتا تھا جس کا پانی قریب ترین دریا میں گرتا تھا، اُجرت پر مزدوروں کے ذریعے وہ ایک بڑا خزانۂ آب تیار کراتا تھا جس میں صاف و شفاف پانی کی مقدار چھ دیہاتو تک کے لیے کافی ہوتی تھی، وہ دریاؤں اور تالابوں کے کناروں پر سنگ و خشت کے گھاٹ یا پڑاؤ تعمیر کراتا تھا۔ مندروں کو وقف کرتا اور مدرسوں کے لیے عمارتیں بناتا تھا لیکن اپنے کاشتکاروں کے زرعی معاملات کی وہ کبھی دیکھ بھال نہیں کرتا تھا اور نہ خود کو اس بات کا کفیل سمجھتا تھا کہ ان کے لیے مکانات کا انتظام کیا جائے یا ان کی اراضی کی حصار بندی کی جائے۔

یہ ظاہر ہے کہ کارنوالس نے توسیع زراعت کے متعلق ملک کے رسم و رواج کو بخوبی نہیں سمجھا۔ وہ اپنے ابتدائی مگر نہایت ضروری ضوابط میں اس توقع کا اظہار کرتا ہے کہ زمیندار بذات خود اپنی اراضی کی کاشت میں محنت و مشقت اٹھائیں گے اور اپنی اپنی متعلقہ زمینداری کو ترقی دیں گے نیز انہیں یقین دلاتا ہے کہ وہ بلا شرکت غیرے اپنی ذاتی محنت کا پھل پائیں گے بغیر اس خوف کے کہ اس طرح کی ترقی زراعت اور ملکیت زمین کی افزوں شدہ قدر و قیمت کے نتیجے کے طور پر حکومت کے مطالبات میں بھی اضافہ ہو جائے گا۔ ان فقروں کے استعمال سے ہم اُس زمیندار کے تصوّر کے بارے میں جو کارنوالس کے ذہن میں تھا صرف یہ قیاس کر سکتے ہیں کہ وہ انگلستان کے اُس شخص کا ہم پلّہ ہے جسے ترقی پسند زمیندار کہنا چاہیے جو اُن مقامات پر جہاں غلہ فائدے کے ساتھ پیدا نہیں ہوتا درختوں کے نصب کرنے، کانٹوں کی باڑھ لگانے، خندقوں کو خالی کرنے، تر زمینوں کے خشک کرنے اور نہایت پسندیدہ وضع کی خوبصورت جھونپڑیاں بنانے میں اپنا سرمایہ صرف کرتا ہے۔ ابھی ابھی اس امر کا اوپر اظہار ہو چکا ہے کہ تقریباً ہر ایک ضلع میں تالاب کھدوانے، مندر اور گھاٹ تعمیر کرانے اور نہریں بنوانے میں زمینداروں نے بڑی بڑی رقمیں خرچ کیں۔ لیکن اس نے اپنے علاقے کی کسی زمینداری میں بنجر زمینوں، جھونپڑیوں، جنگلوں اور افتادہ زمینوں کی درستی پر یا اعلیٰ تر و مفید تر اقسام کاشت کے اجرا پر کبھی ایک حبّہ بھی صرف نہیں کیا۔ یہ تمام بار رعیت پر

پڑتا تھا۔

یہ صحیح ہے کہ زمیندار، جس کاشتکار کو کسی قطعۂ زمین پر قبضہ دلاتا تھا اس کی حمایت کرتا تھا جو ہر زمانے میں ہندوستان جیسے ملک میں ناگزیر تھی۔ وہ اکثر ایسے کاشتکاروں کے لیے کسی رقیب زمیندار کی زیادتی یا دست اندازی کے موقع پر پشت پناہ ہوتا تھا۔ لیکن کاشتکار کی کلہاڑی اور پھاوڑے اور کاشتکار کی قوتِ بازو سے ہی جنگل کاٹے جاتے تھے اور افتادہ زمین درست ہوتی تھی۔ وہ زمیندار کے زیر سایہ دراصل اپنے مفاد کے لیے کام کرتا تھا۔ اعلیٰ زمیندار اور اس کے کارکنوں کی کسی امداد کے بغیر جس نئی زمین کو وہ درست کرتا تھا اس کے محصول کی شرح چند سال تک اکثر بہت کم ہوتی تھی۔ یہ شرح، معمولی لگان کی نصف یا ایک چوتھائی یا ابتدائی بارہ مہینوں کے لیے محض برائے نام ہوتی تھی۔ بعض اوقات مقامی منتظم کے تغافل یا تساہل کے باعث کوئی زمینداری کئی فصلوں تک تادیۂ محصول سے بچ سکتی تھی یا کاشتکار اُس حد سے تجاوز کر کے زمین میں اضافہ کر سکتا تھا جس کی صراحت اس کے پٹّے میں موجود ہوتی تھی۔ لیکن کاشتکار کا حشر کچھ ہی ہو اور خواہ اس کا زمیندار محصول لگانے یا وصول کرنے میں بے اعتنائی یا مستعدی سے کام لے یہ امر مسلّم ہے کہ سارے بنگال میں زمیندار مطمئن حالت میں نظر آتا تھا اور کاشتکار حقیقت دار اور معمولی کاشتکار جنگل کی گھاس پھوس جلاتے، ٹیلیار زمین پر ہل چلاتے، چاول بوتے اور بتدریج زیادہ قیمتی پیداوار کو رواج دیتے تھے۔

ان امور کو تسلیم کرنے میں یہ لازم نہیں ہے کہ زمینداروں کی جماعت کو اس لیے قابل الزام قرار دیا جائے کہ اس نے ترقی پسند زمینداروں کے مماثل وہ درجہ فوراً حاصل نہیں کیا جس کی کارنوالس کو توقع تھی۔ زمانۂ قدیم سے ملک کا دستور یہی رہا کہ کاشتکار زمیندار کے زیر نگرانی کام کرے لیکن زمیندار کی اکثر خانگی یا مقبوضہ زمینیں ہوتی تھیں جو اس زمانے کی اصطلاح میں "نج جوت" (Nij-jot) کہلاتی تھیں۔ ان زمینوں کے متعلق زمیندار کی عادت نہیں تھی کہ وہ اسامیوں کو یہ بتلائے کہ کس طرح کھاد سے پیداوار زمین بڑھ سکتی ہے یا مختلف سطح زمینوں پر اناج،

کھجور کے درخت، سن، تنباکو یا نیشکر بونے کا کیا طریقہ ہے اور کس طرح منافع حاصل کیا جا سکتا ہے۔ عملاً ان صورتوں میں اس کے خاص ملازم یا مزدور اراضی خاص کی کاشت کرتے تھے اور نہایت ادنیٰ نتائج پیش کرتے تھے۔ ۱۷۹۳ء کے بعد کئی سال تک زمینداروں کی بڑی غرض یہ رہی کہ رعایا کو افتادہ اور مزروعہ اراضی کا پٹہ دیا جایا کرے جیسا جیسا کہ آبادی میں اضافہ ہوتا جائے اور کاشتکاروں کی بڑھتی ہوئی تعداد کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے وسیع تر قطعات اور نئے دیہات کی احتیاج لاحق ہو۔

جدید بندوبست کے مقاصد عظیم میں سے ایک یہ تھا کہ حکومت ایک طرف کسی علاقے کے مفروضہ رقبے کی کسی زمین پر جو درست ہو کر زیر کاشت ہو یا جس پر کسی سال ہری بھری فصل کھڑی ہو کوئی محصول بطور اضافہ نہیں لگائے گی۔ دوسری طرف زمیندار مالگزاری کی معافی یا التوا کی توقع نہیں کر سکتا تھا جب کہ اس کی اراضی کو امساک باراں، سیلاب یا موسم کی کسی آفت کا سامنا ہوتا تھا۔ وہ اچھے اور برے سال کی فصلوں کو شامل کرنے اور ان دونوں کے نبھانے کا ذمہ دار تھا۔ اگر وہ ریاست کے متعلق اپنے فرائض کی باقاعدہ انجام دہی میں ناکام رہے تو کوئی عذر قبول نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اس کی جائیداد یا اس کا ایک حصہ جو بقایا ادا کرنے کے لیے کافی ہو قطعی طور پر نیلام کیا جاتا اور سب سے زیادہ بولی بولنے والے کے نام فروخت ہو جاتا تھا۔ اس کو اجازت نہیں تھی کہ وہ کسی حصہ دار کی غفلت یا ناقابلیت کا عذر پیش کرے کیونکہ وہ ہمیشہ باقی دار کی جانب سے محصول ادا کر کے اپنے مفاد کی حفاظت کر سکتا تھا اور دیوانی نالش کے ذریعے اس تادیے کا روپیہ واپس لے سکتا تھا۔ قانون بیع کی شرائط سخت تھیں لیکن ان سے اس رسم قدیم کی اصلاح ہو گئی جو باقی دار کو قید یا جسمانی سزا کے ساتھ تادیے پر مجبور کرتی تھی اور مسلمانوں کی زیادتیوں اور مرہٹوں کے حملوں کی موقوفی کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ زراعت میں قطعی و یقینی طور پر ترقی ہوئی۔ اس سرزمین پر قدرت کے فعل ہمیشہ ایک بہت بڑے پیمانے پر اثر انداز ہوتے رہے۔ اگر خشک سالی مدت دراز تک جاری رہتی یا طغیانیاں زیادہ وسیع اور مصیبت انگیز ہوتیں جیسا کہ اکثر وسطی اور مشرقی

بنگال میں ہوا کرتا تھا تو زیادہ جو پانی کے لبریز ہونے سے جمع ہوتا زمین کو بلند کرتا اور اسے سیراب وشاداب کرتا تھا نرکل اور ناگر موتھا کی جگہ وہاں کی فصل ہوتی تھی کلہاڑی اور ہل جنگل کو ناپید کرتے تھے۔ دلدل بہ کرا ستوار زمین بن جاتی تھی اور نئے دیہاتوں اور جھونپڑیوں کے اطراف میوے اور بانس کے درخت اُگتے تھے اور اصل جنگل کی جگہ ایک زرخیز ومصنوعی روئیدگی کی ایسی ہی افراط ہوتی تھی جیسی کہ وہاں پہلے موجود تھی۔ ان تمام چیزوں سے زمیندار کے منافع میں اضافہ ہوتا تھا۔

نئے یا پُرانے کاشتکاروں کو زمیندار سے جن وثیقوں کے ملنے کی توقع ہوتی تھی وہ 'پٹے' کے نام سے مشہور تھے اور اسی ضمن میں کاشت کار بطورِ معاوضہ ایک اقرار نامہ دینے پر مجبور تھے جو 'قبولیت' کہلاتا تھا۔ ان دونوں اصطلاحوں کو اکثر وبیشتر عدالتی فیصلوں، رسمی رُودادوں اور دیگر دستاویزوں میں بے اعتنائی کے ساتھ 'پٹہ' اور 'قبولیت' کہا گیا ہے۔ حقیقت میں ایک معمولی کاشت کار کے پٹے کو انگریزی پٹے سے کوئی مناسبت نہیں ہے۔ اس میں کسی میعادِ مقررہ کی تخصیص نہیں ہوتی ہے بلکہ اس امر کا عہد وپیمان ہوتا ہے کہ کاشتکار اپنا لگان روک نہ رکھے اور خشک سالی یا طغیانی کا حیلہ یا حق قبضہ نہ رکھنے والے شکمی کاشتکاروں یا مشترک حصہ داروں کی موت یا ترکِ مقام کا عذر پیش کر کے لگان ادا کرنے میں ناکام نہ رہے۔

میوے اور چوبینے کے درخت نہیں کاٹے جاتے تھے۔ اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ وہ زمیندار کے ہاتھ سے لگائے گئے تھے بلکہ یہ کہ ان کو نابود کرنے سے زمینداری کی قدر وقیمت کم ہو جاتی تھی۔ اسی طرح کوئی مالدار اسامی کسی تالاب کے کھودنے کی خواہش کرے تو زمیندار اگر چاہتا تو اس بنا پر اعتراض کر سکتا تھا کہ قابل زراعت یا مزروعہ رقبے کی کمی سے لگان کی ضمانت کمزور ہو جاتی ہے۔ لیکن حقیقتِ حال یہ ہے کہ اس قسم کے اعتراضات نسبتہً بہت کم ہوتے تھے۔ بنگال کے کئی دیہات خزانہ ہائے آب کے ناکارہ ہونے سے نالاں ہیں جو کافی طور پر گھرے ہوتے ہیں اور نہ درست حالت میں رکھے جاتے ہیں۔ ان حقوق واختیارات کے ساتھ ساتھ بعض ذمہ داریاں اور فرائض بھی شامل تھے۔ زمیندار پابند تھا کہ جن سڑکوں کو ہم دیہات سے گزرنے والی سڑکیں کہیں گے ان پر ڈاک کے لے جانے کا انتظام کرے۔

اِس ڈاک کے ذریعے پولیس کی بھاری رُودادوں کی ترسیل کے علاوہ شاذ ہی کوئی اور کام انجام پاتا تھا۔ پولیس کو مدد دینے کی ذمہ داری کے ساتھ زمیندار اس بات کا بھی پابند تھا کہ خلافِ آئین نمک سازی اور خشخاش کی ناجائز کشت کاری کو رُوکے کیونکہ حکومت نے افیون اور نمک کا ٹھیکہ لے رکھا تھا۔ گاؤں کے چوکی داروں کو تنخواہیں دینے اور اُن کی پرورش کرنے کا فرض بھی زمیندار پر عائد کیا گیا تھا لیکن کئی سال تک پولیس کے تھانوں اور نظامت عدالت اور چوکی داری کے مابین ڈاک کا انتظام نہایت غیر اطمینان بخش بنیاد پر رہا۔

اگر کبھی مذکورۂ بالا ذمہ داریوں میں سے بعض، نامناسب اور تکلیف دہ ہوتیں تو وہ چست و چالاک زمینداروں کے ہاتھوں میں جبر و قوت کا آلہ بھی بن سکتی تھیں۔ یہ زمیندار عمدہ قانونی مشورے حاصل کر سکتے تھے اور مستعد کارکن اور ملازم ان کی بخوبی مدد کرتے تھے۔ برخلاف اس کے ناتجربہ کار اور کاہل زمیندار اپنے نوکروں اور کاشت کاروں کی مختلف جماعتوں کے فریب میں آجاتے تھے اور آخر کار شکمی داریوں کے قیام کی تجویز پر مجبور ہوتے تھے جس سے وہ اپنے علاقوں پر محض لگان عاید کرنے والے سمجھے جاتے تھے۔ بعض ہمت و حکمت کے ساتھ بلا پس و پیش کوشش کرتے تھے کہ قانون کی ہر ایک فصل اور دفعہ سے استفادہ کر کے قانونی ذمہ داریوں کو ذرائع منفعت میں تبدیل کر دیں۔ وہ اپنے اسامیوں کو زمینداریوں کی یکے بعد دیگرے پیمائش کے لیے بھیجتے تھے اور ان تمام زمینوں پر جو از رُوئے پٹہ متجاوز ہوتی تھیں لگان عاید کرتے تھے کیونکہ ان کو ایسا کرنے کا پورا حق حاصل تھا۔ اضافہ شدہ لگان حاصل کرنے کے لیے وہ متمول کاشتکاروں پر نالش کرتے تھے تاکہ بہتر پیداوار پر دستورِ عام کے بموجب عاید کی ہوئی شرح لگان وصول ہو سکے۔ انتظامی اور قانونی ممنوعات مکرّر کے باوجود زمینداروں کے مطالبات ہوا کرتے تھے اور غیر معمولی رقوم جنہیں ابواب کہا جاتا تھا وہ اپنی زندگی کے ہر بڑے واقعے پر وصول کرتے تھے مثلاً بیٹے کا پیدا ہونا، بیٹی کی شادی ہونا، مندر کا وقف ہونا، مدرسے کی عمارت کا بننا، گھاٹ کی تعمیر ہونا، ضلع میں سے کسی اعلیٰ عہدہ دار کا روانہ ہونا، حکومت سے خطاب یا خلعت فاخرہ کا حاصل ہونا، کسی بڑے

قانونی مقدمے کا ختم ہو جانا یا کوئی دوسرا اچھا یا بُرا واقعہ پیش آنا۔ اور یہ امر یقیناً قابل تسلیم ہے کہ لارڈ کارنوالس نے زمیندار کو اگرچہ ایک انگریز زمیندار کا ٹھیک درجہ عطا نہیں کیا تاہم اُسے غیر مطمئن حالت سے نکال کر ایک ایسی محفوظ و معین جگہ دے دی جو منفعت، حقیت اور قوت پر مبنی تھی۔ اس میں آیندہ کوئی تبدیلی ڈھاکے یا مرشدآباد کی کسی خود پسند مطلق العنان حکومت کے تلون کی بنا پر نہیں ہو سکتی تھی اس پر حکومت خارجہ کی مُہر لگائی گئی تھی جس کے نمایندے اپنے قول کے پکّے افراد مشہور تھے۔ مذکورہ جگہ صرف ناقابلیت یا بالارادہ غفلت کے باعث چھینی جا سکتی تھی۔ انجام کار زمیندار اپنے علاقے سے زیادہ روپیہ پیدا کر سکتا تھا، اُسے رہن یا فروخت کر سکتا تھا اور اضافۂ قیمت کے ساتھ اور حق ملکیت پر کسی اعتراض کے بغیر اپنے وارثوں اور جانشینوں پر اُسے منتقل کر سکتا تھا اور قیمت کے اس اضافے کا یا ریاست کی جانب سے آیندہ کسی مطالبے کا اس پر کوئی اثر نہ پڑتا تھا۔

اس داستان کی محدود گنجائش میں کاشت کار کے حقوق و مفاد اور حیثیت کے متعلق اُن مختلف حقوق ملکیت کو بیان کرنا ممکن ہے جو ایسے صوبوں میں پائے جاتے ہیں جہاں بندوبست دوامی نافذ کیا گیا ہے۔ متعدد حقوق جن کی صوبہ جاتِ نشیبی کے مختلف اضلاع میں مختلف اشکال ہیں اصلیت و صداقت کے لحاظ سے تقریباً یکساں ہیں۔ بعض صورتوں میں ان کے امتیازات معنوی کی بہ نسبت زیادہ تر صوری ہیں اور بلاشبہ مختلف دوروں میں جبکہ کاشتکاروں کے حقوق اور حیثیت کی جانچ کی گئی ہے ان کو تین بڑے درجوں میں تقسیم کرنا عام طور پر ممکنات سے سمجھا گیا ہے۔ سب سے پہلے قابل توجہ مگر نسبتہً معدودے چند جیسا کہ اکثر بتایا گیا ہے وہ کاشت کار ہیں جو بندوبست دوامی سے قبل کی مستقل و مقررہ شرح لگان یا ایسی شرح کے ساتھ اراضی پر قابض ہیں جس میں تاریخ بندوبست مذکور سے کبھی کوئی زیادتی یا تبدیلی نہیں کی گئی ہے۔ ان اہم حقوق اراضی کو بالعموم 'استمراری' یا 'مستقرری' کہا جاتا ہے اور ان حقوق کے ساتھ اکثر لفظ 'موروثی' لگایا جاتا ہے۔ اس قسم کے جایز حقوق پر اضافۂ لگان کا کوئی مطالبہ اثر انداز نہیں ہو سکتا۔

دوسرے درجے میں وہ کاشت کار مقیم ہیں جو اراضی پر قابض رہیں نہ

معین شرح کے ساتھ قبضے کے مدعی ہیں تاہم ان کے متعلق یہ خیال کیا جاتا ہے کہ انہیں اپنے حقوق اراضی کو برقرار رکھنے کا اس وقت تک اختیار حاصل ہے جب تک کہ وہ لگان ادا کرتے رہیں اور ان پر اضافۂ لگان کے لیے پُرزور دعوے کرنے پڑتے ہیں جن کو باضابطہ مقدمۂ دیوانی کی رسمی کارروائی کے ذریعے ثابت کرنا ضروری ہوتا ہے۔ یہ کاشت کار ایک قسم کا حقِ ملکیت رکھتے ہیں اور ان کی ایک بہت بڑی اور قابلِ لحاظ جماعت ہے اور انفرادی و مجموعی حیثیت سے ان کے حقوق کے متعلق بڑا مباحثہ اور مقدمہ بازی ہوتی رہی ہے۔ تیسرے اور آخری درجے کے وہ کاشت کار ہیں جنہیں حقوقِ قبضہ حاصل نہیں ہیں۔ اس مؤخر الذکر جماعت میں اکثر کاشت کاران حقیت دار کی شکمی رعیت ہوتی ہے اور اسی وجہ سے یہ رعیت، 'شکمی'، 'کرفہ'، یا 'گول جانہ' کے مختلف ناموں سے مشہور ہے۔ یہ الفاظ تقریباً مترادف ہیں اور کامل طور پر بخوبی سمجھ میں آتے ہیں۔ بلاشبہ کاشتکاروں کی یہ جماعت بڑے اور چھوٹے ایسے علاقوں میں پائی جاتی ہے جو براہِ راست زمیندار یا تعلقدار کے تحت ہوتے ہیں۔

تمام عملی اغراض کے لیے صوبہ جات نشیبی کے کسی حصے کے کاشتکاروں کو اقسام بالا میں سے کوئی جگہ دینا مشکل نہیں ہے۔ یہ کاشتکار ایک غیر متغیر و ناقابلِ تغیر شرح لگان کے ساتھ ۱۷۹۳ء سے اراضی کے مالک ہیں یا ممکن ہے کہ اس کے قبل سے ہوں۔ یا انہیں حق قبضہ حاصل ہے اور قانوناً بے دخل نہیں کیے جا سکتے گو دیوانی نالش کے ذریعے ان کے لگان کی مقدار اس پرگنے کی جس میں وہ مقیم ہیں یا قرب و جوار کے دیہاتوں کی عام شرح کے مطابق کی جا سکتی ہے۔ یا وہ شکمیدار یا ایسے کاشت کار ہیں جو حق قبضہ نہیں رکھتے اور یہ بات ماننی پڑتی ہے کہ زمانۂ حال میں ان کی شرح لگان کا معاملہ قول و قرار پر رہا ہے۔ موجودہ صدی کے نصفِ اول میں عملاً ان کے لگان کی شرح کا تصفیہ، رواج و باہمی مفاہمت کی بنا پر کیا گیا ہے۔

یہ امر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ حق قبضہ کی زیادہ توضیح کی جائے کیونکہ اس کے وجود پر شکوک قائم کیے گئے ہیں اور زمینداروں کے مفاد کی خاطر یہ ثابت کرنے کی کوششیں کی گئی ہیں کہ اگر کبھی اس کا وجود تھا بھی تو اب وہ نابود ہو چکا ہے یا اس قدر کمزور ہے کہ قانونی اعتبار سے اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔ لیکن یہ کہنا

بہت زیادہ صحیح ہے کہ اگرحق قبضہ عہد کارنوالس کے بعد ایک مدت دراز تک قانوناً تسلیم نہیں کیا گیا تو وہ ایک ایسی شے ضرور بنا رہا جس پر کاشتکاروں کی ایک بڑی جماعت کا مضبوط عقیدہ تھا۔ ادائے لگان ہندوستان میں تقریباً ہر جگہ ایک ایسا فرض سمجھا جاتا ہے جس سے کوئی کاشت کار سبکدوش نہیں ہو سکتا۔ اس فرض کا باقاعدہ انصرام، عزّو وقار کی علامت کے طور پر اکثر پیش کیا جاتا ہے۔ ادا نہ کرنے یا انکار کرنے کی صورت میں عذر دار پر بدمعاشی کی مہر لگ جاتی ہے لیکن ساتھ ہی ساتھ اس فرض منصبی کے متعلق کاشتکاروں کے ایک بڑے گروہ کی خاطر جمعی اس تسکین دہ خیال سے ہوگئی ہے کہ لگان ادا کرنے والے کسی گمان پر عدالتی حکم سے بے دخل نہیں ہو سکتے۔

بنگال کے بہت سے اضلاع میں کاشت کار قبضہ دار نے کشت کاری کی توسیع اور زراعت کی ترقی میں ہمیشہ بڑی سرگرمی دکھائی ہے۔ وہ مختلف ناموں سے پہچانا جاسکتا ہے۔ وہ جوت دار ہوتا ہے یا گنتھی دار یا خود کاشت۔ اس آخری لفظ سے ایسا کاشت کار مراد ہے جس کی سکونت اور کاشت ایک ہی گاؤں میں ہوتی ہے۔ پشتہا پشت تک ایک ہی جگہ پر اس کے خاندان کے قیام کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ اس نے دو تین یا چار مکانات بنائے ہیں۔ ان میں بانس کی لکڑیاں اور درخت کی ٹہنیاں خوبصورتی کے ساتھ ملی ہوئی ہوتی ہیں۔ گھاس کے عمدہ چھپر کے علاوہ ایک سے زائد سمت ایک برآمدہ بھی ہوتا ہے اور یہ تمام عمارت خوب سنی ہوئی مٹی کے ایک مضبوط پائے پر کھڑی ہوتی ہے۔ ان مکانات کی درمیانی جگہ یقیناً خلوت گاہ ہوتی ہے۔ صحن اور مسکن احتیاط کے ساتھ صاف ہوتے ہیں، ان پر خوش نما درختوں کا سائبان ہوتا ہے اور مکان سے متصل باغ میں پھول پتوں اور پھلوں کی کثرت ہوتی ہے۔ اس جماعت کے بہت سے کاشتکار اگر مال دار نہیں تو آزاد اور آسودہ ضرور ہیں اور زمیندار اور کاشت کار کی باہمی خصومت کے باوجود دو یا تین پشت تک حصص ملک میں ایک عام بات رہی ہے قیاس و توقع سے بڑھ کر اس بکار آمد جماعت کے بہت زیادہ افراد نے اپنی حیثیت برقرار رکھی ہے۔ یہ نتیجہ ہے کاشت کار قوم کے اُن افراد کی دلچسپی کا جو اپنے پیدائشی گاؤں اور آبا و اجداد کے مسکن کی ولولہ انگیز محبت رکھتے ہیں نیز اس ہر دلعزیز

اور خوب دل نشین عقیدے کا کہ انہیں قانونی چارہ جوئی کے ذریعے بے دخل کرنے کا زمیندار کو کسی وقت بھی اختیار نہیں ہے اور وہ شاذ ہی ایسا ارادہ کرتا ہے۔ اور خاص خاص معاملات میں اختیارات کا ناجائز استعمال کرنے اور قانون، پولیس اور حکام عدالت سے بے اعتنائی اور مقابلہ کرنے کی نظائر اس امر کا ثبوت نہیں ہیں کہ جان بوجھ کے اُس حدِ قانون سے متجاوز ہونے کا قصد کیا گیا ہے جسے عام قانونِ ملک کہا جاتا ہے۔

چونکہ بہت سے امور خود کاشتکار پر چھوڑے گئے تھے اس لیے وہ زراعت و پیداوار کے تمام کاروبار میں مختارِ کل تھا۔ کسی زمیندار نے فصلوں کے دَور قائم کرنے، گھاس پات کو اس کی جگہ پر جلانے یا اُن عام شرائط میں سے کسی پر اصرار کرنے کا کبھی خیال بھی نہیں کیا جنہیں قبول کرنے کے لیے دوسرے ممالک کے کاشتکاران اجارہ دار مجبور کیے جاتے ہیں۔ کاشت کار حقیت دار اور غیر قبضہ دار بھی اپنا ذاتی مکان تعمیر کرتا ہے۔ خاص اپنا سامان مہیا کرتا ہے، پتلی باڑیں لگاتا ہے۔ اپنی زمین سے پڑوس کی جانب غیر ضروری پانی بہانے کے لیے نالہ بناتا ہے۔ مٹی کے چھوٹے بند کا خرچ اٹھاتا ہے جو میدان کی آمد و رفت اور علاقوں کی حد بندی کا کام دیتا ہے۔ اعلیٰ تر اور زیادہ نفع بخش پیداوار کی اقسام پر وقت اور روپیہ صرف کرتا ہے۔ مختصر یہ کہ اعلیٰ زمیندار کی نصیحت، ہدایت یا مزاحمت کے بغیر وہ اپنی زمین پر بہت کچھ کر گزرتا ہے۔ زمین کے ساتھ دائمی دلچسپی کے یہ واضح اور مسلّم ثبوت ہیں اور ساتھ ہی ساتھ دوسروں کے حقوق و اختیارات کے وجود پر پوری طرح منطبق ہوتے ہیں۔ اس داستان کے کسی سابق حصے میں یہ بتایا گیا ہے کہ کاشت کار سے توقع کی جاتی تھی کہ وہ اپنے خاص علاقے کی بیع یا انتقال کی اطلاع اپنے بالادست کو دے۔ لیکن یہ فرض اگرچہ اصولاً تسلیم کیا گیا تاہم عمل میں اس سے اکثر اغماض کیا گیا۔ یہ بالکل یقینی امر ہے کہ کسی کاشت کار کی جوت یا جمع کا ایک خاص بازاری نرخ ہوتا تھا۔ عدالت سے اجرائے ڈگری کے باعث اسے اکثر نیلام عام میں رکھا جاتا تھا اور اس پر بولی بولی جاتی تھی اور زمیندار کا ذرا بھی لحاظ کیے بغیر خریدار اسے مول لیتے تھے اور تقریباً اسی طرح علاقے خانگی معاہدے کی بنا پر ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں چلے جاتے تھے۔

بعض اوقات کسان اپنے علاقے سے دست بردار ہوتا تھا اور محض کاشتکار

کی حیثیت سے پھر مقرر ہوتا تھا۔ اکثر اوقات وہ اپنا علاقہ اپنے ہی زمیندار کو دے دیتا تھا اور بعض مواقع ایسے بھی پیش آئے ہیں کہ زمیندار دھمکی، ایذارسانی اور انتقام کی غرض سے اُن علاقوں کو خریدا کرتا تھا جو کسی پڑوسی اور حریف کی جائیداد میں واقع ہوتے تھے۔ دوسری صورتوں میں خود زمیندار نے کاشتکار کے علاقے علانیہ و جائز طور پر اور بالکل منشائے قانون کے مطابق خریدے ہیں۔ اگر زمیندار کے پاس قسمِ مطلوب کی کوئی خالی زمین نہ ہوتی اور اُسے باغ لگانے، مندر بنانے یا تالاب کھودنے کے لیے ایک چھوٹے قطعے کی خواہش ہوتی تو وہ اس غرض کے لیے اپنے کاشت کار سے باہمی قرارداد کے ذریعے زمین حاصل کرنے پر مجبور ہوتا تھا۔

معاوضے یا قیمت کے بغیر جبر کے ساتھ کاشت کار سے زمین کی حوالگی کے مطالبے پر قانون، رواج یا رائے عامہ سے زمیندار کی کوئی حمایت نہیں ہوتی تھی۔ انگلستان میں اعلیٰ زمیندار کا اس قسم کا کوئی مطالبہ مزروعہ زمین یا اس کے کسی حصے کو مالک کے قبضے میں رکھ چھوڑنے سے سالانہ یا میعادی ٹھیکے کے اختتام پر بآسانی پورا ہو سکتا تھا لیکن کارنوالس نے میعادی پٹوں یا محصول کی اُن شرحوں کا جو ٹھیکے پر مبنی تھیں کوئی طریقہ معلوم کیا اور نہ نافذ کیا۔ بعض کاشت کاروں کے حقوق اور رسم و رواج بادی النظر میں مخالف اور متضاد دکھائی دیتے ہیں لیکن فی الواقع ان میں صریح یکسانی اور تفریق بخوبی ہو سکتی ہے۔

ایک طرف زمینداروں کو بالعموم اس بات کا کامل طور پر خوب علم ہے کہ وہ کس حد تک اپنے حقوق جتا سکتے ہیں اور کس وقت قانون سے ان کی مخالفت یا تقویت ہو سکے گی اور دوسری طرف کاشت کار اگرچہ بارِ محصول سے دبائے جاتے ہیں، گماشتوں کے ہاتھوں بدسلوکی اٹھاتے ہیں اور زمیندار کی گوناگوں خواہشوں اور ضرورتوں کے لیے مزید سرمایہ مہیا کرنے پر مجبور کیے جاتے ہیں تاہم انھوں نے چالاکی سے ظلم و تعدی کا اکثر کامیاب مقابلہ کیا ہے، اپنے موقعوں پر محافظت کے لیے قوّتِ اتحاد سے کام لیا ہے،

اور اپنی اراضی پر قبضہ قائم رکھا ہے یہاں تک کہ ان کی حیثیت کی توضیح کی گئی، از رُوئے قانون اسے ناقابل تغیر قرار دیا گیا اور آخرکار قانونی عدالتوں میں بھی اس کی تائید کی گئی ۔

تیسرا باب

اصول و نتائج

اس باب میں زمینداروں اور کاشتکاروں کے حقوق و فرائض کے علانیہ تصادم کے متعلق چند اور رائیں معلوم ہوں گی۔ اس میں اُن آئین کا خلاصہ دیا گیا ہے جو بندوبست دوامی کی تشریح کے لیے ضروری ہیں لیکن ملک کی حالت پر اس قانون کے دیگر اثرات اور بانیٔ قانون کی توقعات کی تکمیل یا عدم تکمیل کے بارے میں اب چند باتیں بیان کی جاتی ہیں۔ قانون کے منشا کے متعلق اخبارات کی رائیں قابل قدر ہیں۔ مئی ۱۷۸۹ء کی اکیسویں تاریخ کو کلکتہ گزٹ کے مُدیر نے اس اعلان پر اظہارِ اطمینان کیا کہ اس سال ستمبر میں صوبۂ بہار کا محصول دوامی طور پر مقرر ہو گا۔ مُدیر مذکور نے بیان کیا کہ "ہم یہ کہنے کی جرأت کرتے ہیں کہ خاص قوانین کی رُو سے زمینداروں کا مستقل حقِ ملکیت اُس اصول کے مقابلے میں تسلیم کیا جاتا ہے جس کی تائید بعض نے اس خیال سے کی ہے کہ زمیندار اور تعلقدار محض سرکاری عہدہ دار ہیں اور فرمان روا اراضی کا اصل مالک ہے جس پر وہ بحیثیت حکمران کے محصول عائد کرنے کی بجائے بہ حیثیت مالکِ زمین کے

اُسے پٹّے پر دیتا ہے۔ اس بارے میں اب جو فیصلہ ہوا ہے اس سے نہایت اہم فوائد کی توقع کیجاتی ہے۔ مالک اراضی کو اپنے ذاتی مفاد کا خیال پیدا ہوگا، وہ اپنی پوری قوت و کوشش سے اپنی جائداد کو ترقی دے گا اور اُسے اس بات کا خوف نہ ہوگا کہ سرکاری محصول میں اضافہ ہونے سے اس کی محنت کا پھل ضائع ہو جائے گا اور کسی دوسرے انتظام کی بنا پر جس سے اس کی اراضی کی پیداوار بڑھنے کا امکان ہو وہ اپنی جائیداد سے بےدخل کر دیا جائے گا۔" ساتھ ہی اس کے مُدیر نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس ملک میں سالہا سال کی ایک طویل مدّت کے لیے محصول کا بندوبست کرنے سے عظیم تر فوائد برآمد ہوں گے بہ نسبت اُن کے جو ظاہر ہو چکے ہیں۔ "محنت کا کچھ معاوضہ قرار دینے سے جس میں سرکاری محصول کے متعلق کوئی منہائی نہ ہو یہ ممکن ہے کہ ترقی کی بڑی بڑی تجاویز عمل میں لائی جائیں، زراعت بڑھے، تجارت کو فروغ ہو، زمیندار خود کے متمتّع ہونے کا یقین کر کے اپنے شکمی داروں کو لگان کے بارے میں اذیت دینے کا مخالف رہے اور یہ شکمی دار ایک ایسے ملک میں جہاں آجروں کی نہیں بلکہ کسانوں کی ضرورت زیادہ ہوتی ہے کسانوں کی حوصلہ افزائی کرنے میں دلچسپی لیں۔ مختصر یہ کہ بندوبست دوامی سے رعایا کے ادنیٰ تر طبقے کے امن و آرام، متوسط اور اعلیٰ تر درجے کے لوگوں کی دولت میں اضافے اور سرکاری محصول کی باقاعدہ وصول یابی کا یقین ہوتا ہے۔"

مُدیر مذکور نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ گورنر جنرل نے یہ اہم فیصلہ کر لیا تھا کہ گنج، بازار، ہاٹ اور دوسرے ابواب کا محصول جو عام طور پر سائر کہلاتا ہے وصول کرنے کا کام براہِ راست حکومت کی نگرانی میں لے لیا جائے۔ یہ فیصلہ محصول ادا کرنے والے نیز آلتمغا، ایمہ، جاگیر اور دیگر معافی دار علاقوں سے متعلق تھا۔ اس امر کا ابھی ذکر ہو چکا ہے کہ مذکورہ بالا تجویز پر بحث و مباحثہ اور غور و خوض ہوا تاہم گنج، بازار اور ہاٹ کا الحاق زمینداریوں کے ساتھ کیا گیا البتہ سائر یا راہداری کا محصول اٹھا دیا گیا۔

تینوں صوبوں کے لیے بندوبست دوامی کا اعلان ہونے کے بعد

مدیر نے جو مضمون لکھا وہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے اس قدر بلند پایہ ہے کہ اُسے بجنسہٖ نقل کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ یہ بات ذہن نشین ہونی چاہیے کہ اُس زمانے میں ہندوستان کے اخباروں کا آغاز ہوا تھا اور انہیں ہر ایک سیاسی امر پر بحث کرنے کی آزادی نہ تھی۔ ایک جدید اور اہم قانون پر اس اہل قلم کے خیالات دلچسپی سے خالی نہ ہوں گے اور اگرچہ وہ بالکل آزاد طبع نہیں سمجھا جا سکتا تاہم عوام کو حکومت کے خیالات و مقاصد سے واقف کرانے کا اس نے بیڑا اٹھایا تھا۔ یہ خیالات و مقاصد اُن ابتدائی انتقادات سے کچھ ملتے جلتے ہیں جو ایک ایسی بڑی تاریخی کتاب یا نظم پر ہوتے ہیں جس کی شہرت بعد کو یقینی ہوتی ہے۔ ۹رمئی ۱۷۹۳ء کو مدیر کا جو مضمون شائع ہوا وہ ذیل میں درج ہے۔

"ہم نہایت مسرت کے ساتھ عوام کو ایک ایسے واقعے کی اطلاع دیتے ہیں جو ہندوستانی زمینداروں سے بالراست تعلق رکھتا ہے اور بلاشبہ ان صوبوں کی فلاح و بہبود کے لحاظ سے اسے بہت بڑی سیاسی اہمیت حاصل ہے۔ یہ واقعہ جس کا ہم ذکر کر رہے ہیں گورنر جنرل باجلاس کونسل کا جاری کردہ ایک اعلان ہے جس کی رُو سے وہ 'جمع' جو سرکاری محصول کے ضابطۂ بندوبستِ دہ سالہ کے تحت بنگال، بہار و اوڑیسہ کے مختلف النوع مالکانِ اراضی کے قطعات پر مشخص ہوئی ہے اِس وقت سے دوامی طور پر مقرر کیجاتی ہے۔

اس اعلان کی مختلف دفعات کی بنا پر جمیع مدارج کے مالکانِ اراضی کے حقوق کی توثیق اور متعدد چھوٹے چھوٹے ابواب کی موقوفی کے باعث جو فوائد ہر لحاظ سے حاصل ہوں گے اُن کی تفصیل میں پڑنے سے سلسلۂ بیان نہایت طویل ہو جائے گا اور اسے ہم صرف نامکمل طور پر ظاہر کر سکیں گے لیکن محصولِ اراضی کے بندوبستِ دوامی کی اہم غرض و غایت کے متعلق ہمارا یہ خیال ہے کہ اس میں عملی منفعت کے ساتھ ساتھ سیاسی صداقت بھی شامل ہے اور اگرچہ اس کی تعریف دائرۂ امکان سے باہر ہے تاہم اس کے اظہار کی ہم کوشش

کیے بغیر نہیں رہ سکتے ۔

فلسفیوں اور مال کے ماہروں کے مابین یہ مسئلہ اکثر زیر بحث رہا ہے کہ آیا زمین کا محصول ایک خاص جمع بندی کے مطابق مقرر ہونا چاہیے جس میں بعد کو کوئی تبدیلی نہ ہو یا ایک ایسے تخمینے پر اس کا تعین کیا جائے جو زمین کے واجبی محصول کی ہر تبدیلی کے ساتھ بدلتا رہے اور کاشت کی زیادتی یا کمی کے لحاظ سے بڑھتا یا گھٹتا رہے۔ حکومت نے فی الحال پہلی صورت اختیار کی ہے اور ہم سمجھتے ہیں کہ دوسری صورت خواہ بظاہر درست ہی کیوں نہ ہو ایک غلط اصول پر مبنی ہے کیونکہ اس میں بحث کی خاطر یہ فرض کر لیا گیا ہے کہ بڑی بڑی ترقیاں رُو پذیر ہوں گی ورنہ حقیقت یہ ہے کہ وہ سرگرمی اور ترقی کے ہر زینے پر بہت بڑی رکاوٹ پیدا کرتی ہے مثلاً یہ کہ حکومت جو اس کے اخراجات میں ہاتھ نہیں بٹاتی منافع کے اضافے میں سے ایک حصہ لے لیتی ہے ۔

سابق الذکر صورت میں حکومت نیز ہر فرد کے لیے محصول اراضی کا تعیّن ہو جاتا ہے ۔ اور کوئی شے ایک کے بیجا تصرف یا دوسرے کی حیلہ بازی یا بددیانتی پر نہیں چھوڑی جاتی ہے ۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ مالکِ اراضی کو اپنی جائداد کی قدر و قیمت بڑھانے کی بہت بڑی ترغیب ہو جاتی ہے کیوں کہ جب اس میں ترقی ہوتی رہتی ہے تو نہ صرف اس کی عام آسودگی اور دولت میں اضافہ ہوتا رہتا ہے بلکہ پیداوار اور اضافہ شدہ مالیت کے مقابلے میں مقرّر محصول کی شرح کم اور اس کا بار بھی کم معلوم ہونے لگتا ہے ۔ حکومت بھی گو بالواسطہ سہی ان فوائد سے بہرہ اندوز ہونے میں شریک رہتی ہے کیوں کہ پیداوار کی زیادتی کا فوری نتیجہ ملک کی آبادی میں اضافے کا باعث ہوتا ہے جس کی محنت و مشقت کا رُخ پھر کشت کاری کی جانب پھرتا ہے یا زیادہ تر کارخانوں کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے جو اپنی صنائع پر چلتے ہیں۔

یہ ہیں وہ نتائج جن کا اس اعلان کے مشتہر کردہ ہمدردانہ و دانشمندانہ اصول سے برآمد ہونا ضروری ہے ۔ اس اعلان نے ہماری مشرقی حکومت کی

تاریخ میں ایک نئے دور کا آغاز ہوتا ہے۔ لہذا ہندوستانیوں کو چاہیے کہ اسے نعمت عظمیٰ خیال کریں جو انہیں کئی صدیوں کے لیے عطا کی گئی ہے۔

مسلمانوں کی حکومت کے زمانے میں مالگزاری کی تشخیص متعدد ظالمانہ طور وطریق پر کی جاتی تھی۔ اس تشخیص کی شرح جب سے کہ انگریز ان صوبوں پر قابض ہوئے ہیں مختلف رہی ہے اور اس میں اکثر اضافہ ہوتا رہا ہے۔ اس بے ضابطہ بندوبست کے برے نتائج شدّت کے ساتھ محسوس کیے گئے۔ ان کی اب کافی تلافی ہو جائے گی۔ بندوبست دہ سالہ کے ذریعے مالگزاری کو ایک معیّن اور ناقابل تغیر شرح تشخیص کے ساتھ واجبی صورت میں رکھا گیا اور مجلس نظما کی منظوری حاصل کرنے کی کوشش کی گئی۔ یہ بندوبست اب دوامی کیا جاتا ہے۔

جمع، کی رقم معقول ہونے کا کافی ثبوت یہ ہے کہ گذشتہ سال بجز دو زمینداری علاقوں کے حکومت کو پوری مالگزاری وصول ہوئی، یہی نہیں کہ اب کچھ بقایا نہیں رہی بلکہ سابق بقایا کی رقوم بھی وصول ہوئیں۔

ان تجاویز سے حکومت کو ایک مستقل آمدنی مالگزاری اور افراد کو ملکیت زمین سے متعلق اطمینان ہو گیا ہے اور ہندوستانیوں کے لیے دولت اور خوش حالی کا باب کھل گیا ہے تاکہ وہ اپنی اراضی کی کاشت و ترقی میں اپنی مرضی کے موافق محنت کریں اور سرمایہ لگائیں۔"

مضمونِ بالا سے ظاہر ہو گا کہ مُدَبِّر مذکور اس چھانسے میں شریک ہے کہ مالکانِ اراضی اپنے علاقوں کی ترقی میں خود سرمایہ لگائیں گے۔ کارخانہ جات اور صنعتی کارہائے عظیم کی نسبت اس کی توقعات یقیناً کچھ قبل از وقت تھیں لیکن اس خیال کی کوئی تردید نہیں ہو سکتی کہ اعلان مندرجِ بالا سے ایک نئے دور کا آغاز ہوتا ہے اور یہ اعلان حیرت انگیز طور پر مسلمان صوبہ داروں اور ایک حد تک اینگلو انڈین حکومت کے اُس طریقے سے مختلف ہے جو بیس سال سے زائد مدّت تک جاری رہا۔ جیسا کہ کارنوالس متوقع تھا زراعت کو سرعت کے ساتھ فروغ دیا گیا۔ اراکان سے ماگھوں کے حملے

جو سولھویں صدی میں برابر ہوتے رہتے تھے نیز اٹھارویں صدی کے اوائل میں مرہٹوں کے دھاوے یہ سب ختم ہو چکے تھے۔

اس طرح بنگال کے کسان عہد کارنوالس سے قبل بیرونی لوٹ مار سے محفوظ ہو گئے تھے اور روزافزوں ترقی کے ساتھ ساتھ ان مقامات پر دیہات قائم کرنے کے قابل ہو گئے تھے جہاں جنگلی سور، ہرن اور شیر پائے جاتے تھے اور اب انہیں صرف اپنے ہی ہم وطنوں کی دست درازی وسخت گیری کا مقابلہ کرنا تھا۔ انتظامی قوت کی غیر حقیقی وظاہری ٹیپ ٹاپ بھی تھی اور لوگ اندھا دھند یہ سمجھنے لگے تھے کہ آیندہ ان کی جان ومال مطلق العنان حکمرانوں کی رضا ورغبت اور تلون کی تابع نہ ہوگی۔ بہر صورت یہ بالکل یقینی امر ہے کہ کسان قدرتی ذرائع کی مدد سے جلد جلد غیر مزروعہ اور افتادہ اراضی کے رقبے کو گھٹانے اور دلدلوں پر یورش کرنے لگے۔ بارش کی کثرت اور خلیج بنگال میں گرنے والے جن دریاؤں کا جال بن گیا ہے اُن میں سے متعدد دریاؤں کی طغیانی کا اثر یہ ہوا کہ زمین کی سطح بتدریج بلند ہوگئی دلدلوں میں مٹی جمع ہو گئی اور مچھلیوں کے پھانسنے کے حلقے اور چڑی ماروں (صیادوں) کے جال کی جگہ ہل چلنے لگا۔ اس داستان کے مصنف کو مشہور و معروف اعلان کے وقت بندوبست دوامی کی ضرورت عظیم کے متعلق بعض نہایت لائق جج جو رائے رکھتے تھے اُسے بذات خود ایک ایسے عہدہ دار دیوانی[1] کی زبانی سننے کا موقع ملا تھا جس کا زمانہ کارگزاری بنگال کے عملے میں ۱۷۹۳ء سے شروع ہو کر پچاس سال سے زائد مدت کی مسلسل ملازمت کے بعد ۱۸۴۵ء میں ختم ہوا۔ عہدہ دار مذکور کا بیان ہے کہ وہ ایک ایسی رائے تھی جس میں گورنر جنرل کی مرضی کو دخل کی گنجائش نہ تھی۔ بعض اضلاع میں سرکاری مالگزاری کی وصول یابی کے لیے بغرض تقرر موزوں اشخاص

---

[1] مسٹر جیمس پیاٹل مرحوم جو اپنی تاریخ وفات ستمبر ۱۸۴۵ء تک کئی سال کے لیے مجلس مال کا رکن اعلیٰ رہا۔

کا حاصل کرنا دشوار تھا۔

اس سے زیادہ دشواری انہیں ان کی خدمات پر برقرار رکھنے میں درپیش تھی۔ جو اضلاع بآسانی قابل کاشت ہو سکتے تھے وہ سب کے سب گھاس کے جنگل اور نرکل سے پٹے پڑے تھے۔ بعض اضلاع میں سال[1] کے قدیم جنگل پر اور دیگر ساگون کے درختوں پر کلہاڑی نہیں چلائی گئی تھی۔ بہت سی عام سڑکوں پر یا یوں کہا جائے کہ آمد و رفت کے ان خراب راستوں پر جو سال میں کم از کم پانچ مہینوں تک چاک دار گاڑیوں کے لیے ناقابل گزر بنے رہتے تھے ڈاک کے ہرکاروں کو متواتر شیر اٹھا لے جاتے تھے۔ یہ ایک خوش انداز بحث تھی کہ کسی ایسی ذمہ داری کے بغیر جس کی بنا پر محصولِ اراضی میں کوئی اضافہ نہ ہو طریقِ زمینداری اگر ناکام نہ بھی ہوا تو وہ کسی وقت بھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔ لیکن یہ امر تسلیم کیا جا چکا ہے کہ متاخرین کے فیصلے نے شور کی زیادہ دانشمندانہ رائے پر مہر صداقت لگا دی ہے۔ بندوبست دوامی کے بہت سے فوائد یکساں طور پر سالہا سال کی دراز مدت کے بندوبست سے حاصل کیے جا سکتے تھے۔ یہ بالکل درست ہے کہ کارنوالس کی نسبت رائے قایم کرنے میں اُن سخت مشکلات کو پیش نظر رکھا جائے جن کا اُسے مقابلہ کرنا پڑا۔

بہت سی امدادی تدابیر جو انتظامی اور قانونی حیثیت سے بندوبستِ دوامی کی پوری کامیابی کے لیے ضروری تھیں فوراً بروئے عمل نہیں لائی گئیں اور ان میں سے بعض تو فی الحقیقت بلا وجہ بلکہ بیجا طور پر ملتوی کر دی گئیں۔ ان کا اجمالی ذکر اس باب میں کیا جائے گا جس میں آئین مابعد کا بیان ہوگا۔ تدابیر مذکورہ میں ناجائز معافی دار علاقوں کی باز یافت، سرسری کارروائی کے ذریعے حصولِ لگان کی سہولتوں کا اجرا اور ۱۸۵۹ء میں اور پھر ۱۸۸۵ء میں حقیت دار کاشتکاروں اور دیگر لوگوں کے حقوق کا تحفظ یہ سب امور شامل تھے۔

---

[1] ایک قسم کے درخت کا نام ہے جس کی لکڑی بہت مضبوط ہوتی ہے۔

لیکن ایک لحاظ سے بندوبست دوامی کی کما حقہ قدر نہیں کی گئی۔ یہاں یہ بات دیکھنے میں آئی کہ مشرقی تاریخ میں پہلی مرتبہ ایک غیر ملکی حکمران نے خود کو اور اپنے جانشینوں کو محصول اراضی کی میعادی تشخیص سے باز رکھا، زمینداروں کا تقریباً ایک نیا گروہ پیدا کیا، جائداد کی حقیت اس کے مالک کی لڑائی یا حاکمِ وقت کی تائید پر نہیں بلکہ ایک نئی بنیاد پر قایم کی اور اضافہ شدہ آبادی اور مسلسل امن و امان کی بدولت جو فایدہ حاصل ہو وہ سب کا سب زمینداروں کے لیے وقف کرنے پر رضامندی ظاہر کی۔ اس قدر امتدادِ زمانہ کے بعد یہ امر بالکل سہل نہیں ہے کہ بنگال اور بہار کے بڑے بڑے زمینداروں اور ہمسایہ ریاستوں کے سرداروں اور شہزادوں کے قلوب پر ایسی خلافِ توقع روش کے صحیح نتیجے کا اندازہ کیا جائے۔ بعض اوقات یہ کہا جاتا ہے کہ اس قسم کی حکمت عملی کو ہندوستانیوں نے کمزوری اور خوف سے منسوب کیا۔ دوسری صورتوں میں خواہ کیسا ہی اعتراض ہو اور ضرورتِ اتحاد کی مناسبت سے استقلال اور حقیقی انصاف کے ساتھ مشرقیوں پر حکومت کرنا کتنا ہی ضروری کیوں نہ ہو لیکن یہ نہیں کہا جاسکتا کہ کارنوالس کی اعتدال پسندی اس کی کمزوری پر محمول کیجاتی تھی۔ یہ اعتدال پسند انتظام اگر تمام صوبے کے واسطے باعث برکت نہیں تو ایک طرح کا سہارا ضرور سمجھا گیا ہوگا۔ اگرچہ بندوبست دوامی کے اہم فوائد ایک ایسے بندوبست کے ذریعے سے بھی جو ایک طویل مدت کے لیے ہو حاصل کیے جاسکتے تھے تاہم اس کے متعلق یہ دلیل پیش کیجاسکتی ہے کہ بنگال میں میعادی تشخیص مالگزاری سے دوسری قسم کی خرابیاں پیدا ہوسکتی تھیں۔ بنگال ایک ایسی جگہ ہے جہاں لوگ ہندوستان کے دوسرے صوبوں کے باشندوں کی بہ نسبت زیادہ گریز اور حیلے حوالے کرتے ہیں جنھیں تمثیلاً کمزور اشخاص کے ذرائع مطلب براری کہا جاتا ہے۔ دوسرے صوبوں میں جب مالگزاری کی جدید تشخیص کا زمانہ قریب آتا ہے تو باشندوں کے دلوں میں کسی قدر بے اعتمادی اور بے اطمینانی پیدا ہوتی ہے۔ دولت چھپائی جاتی ہے۔ کھیت

قصداً بغیر کاشت کے چھوڑ دیے جاتے ہیں اور اضافۂ محصول سے بچنے کے متعدد ناجائز طریقے اختیار کیے جاتے ہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا کہ یہ خلل انداز کارستانیاں بنگال میں تیزی کے ساتھ ضرور بروے عمل ہو جاتیں۔ علاوہ بریں ایک ایسے دولت مند اور ذی اختیار طبقے کے فواید کا متجاوز الحد اندازہ دشوار ہے جسے انقلاب میں سب کچھ کھو دینا پڑے اور حاصل کچھ نہ ہو۔

یہ صورتِ حال غدر کے وقت صاف طور پر نظر آئی اور تسلیم کی گئی۔ اس ہنگامہ خیز سنہ میں صوبہ جات نشیبی میں معدودے چند بڑی فوجی چھاؤنیاں تھیں۔ یہاں غارت گری، لوٹ مار اور طوائف الملوکی کے ناگزیر لوازم کے ساتھ سپاہ کی بغاوتِ عظیم کے عناصر اس کثرت سے نہیں تھے جیسے کہ صوبہ جات بالائی میں پائے جاتے تھے۔ اس وقت بھی جب کہ سپاہیوں کے منتشر دستے سرکش ہو گئے اور انھوں نے ڈھاکے، چٹاگانگ اور بیربھوم میں بغاوت کی تو وہاں کے زمینداروں کی جانب سے ان کی کوئی حمایت نہیں ہوئی۔ سپاہی قواعد داں اور جنگ کی تعلیم پائے ہوئے تھے۔ وہ باقاعدہ طور پر غیر جنگ جو آبادی کے درمیان مسلح رہتے تھے جس کا بہادر ترین شخص جنگلی درندے کو مارنے کے لیے ایک توڑے دار بندوق استعمال کرنے اور دیہی مناقشے میں دشمن پر بھالا چلانے سے زیادہ کچھ اور نہ جانتا تھا۔ لیکن جب چھاؤنی پر جہاں صرف مٹھی بھر انگریز تھے انھوں نے حملہ کیا تو ان کا سخت مقابلہ کیا گیا اور پہلے ہی وار میں سپاہیوں نے دیہاتوں اور جنگلوں کا رُخ کیا۔ بعد ازاں وہ زمینداروں کے غیر متاثر طرزِ عمل، غیر ہمدردانہ برتاؤ اور وفاشعارانہ خاموشی کو دیکھ کر سراپا سرد ہو گئے۔ دوسرے صوبوں میں دیہی جماعتوں کی تنظیم طوائف الملوکی کے سیلاب کو روکنے میں قطعی بے سود ثابت ہوئی لیکن یہ تنظیم دیگر امور کے لحاظ سے قوم کے حق میں مناسب اور قابلِ تعریف تھی۔

مذکورۂ بالا تنظیم کی شہرت واجبی طور پر اعلیٰ ترین قسم کی انتظامی قابلیت کے جلوہ گاہ کی حیثیت سے ہو گئی تھی۔ ایسے اشخاص نے جن میں بڑی تجربہ کاری، وسیع النظری اور عملی ہمدردی موجود تھی بہت ہی عجیب اور مختلف رنگ ڈھنگ کی ملکیت جو پٹہ داری، کہلاتی تھی وضع کی تھی یا اسے تدریجی زوال سے بچایا تھا۔

ان لوگوں نے علم المعیشت کے اصول کو باطل کر دکھایا تھا اور قدیم موروثی
کسانوں کو زمین کی کاشت پر لگا کر معاشری قوتوں کے اثرات پر تقریباً غلبہ
حاصل کر لیا تھا تاہم سپاہیوں کی سرکشی اور برطانوی اقتدار کی عارضی تاریکی کے
ساتھ یہ اجزائے نظام جو اس قدر تجربے اور انسانی ہمدردی کا نتیجہ تھے خود بخود
ٹکرا گئے یا درہم برہم ہو گئے۔ بنگال میں امن عام کو بہت کم صدمہ پہنچا
تھا۔ بہار میں کنور سنگھ کی بغاوت واحد استثنا تھی۔

قحط و مصیبت کے زمانوں میں حکومت متمول زمینداروں کے اشتراک عمل
کا مطالبہ کرتی رہی ہے جو متعدد مواقع پر بلا پس و پیش پورا کیا گیا۔ اس میں شک نہیں
کہ کہیں کہیں ایسے حالات بھی رونما ہوئے جہاں زمینداروں نے تنگ دلی
و خود غرضی سے کام لیا لیکن اکثر مبصّرین آج تک اس رائے پر قایم ہیں کہ اُن
صوبوں کی بہ نسبت جہاں دیہی جماعتوں کے سرداروں یا مدراس کے قاعدے
کے مطابق ہر کاشت کار کے ساتھ بالراست بندوبست کیا گیا ہے بڑی بڑی زمینداریوں
میں زیادہ آسانی سے قحط کا مقابلہ کیا جاتا ہے، امدادی کام جلد شروع ہو جاتا ہے
اور رسد کی منتقلی میں دقت نہیں ہوتی ہے چنانچہ ترہٹ کا قحط (۷۴-۱۸۷۳ء) یقیناً
ایک برمحل مثال ہے اور ایک ایسے ملک میں جہاں ابھی تک معاشری امتیازات
اور لامساوات نے عوام کو گرویدہ کر رکھا ہے بعض بڑی زمینداریوں کا قیام بالکل
ہندوستانیوں کے منشا کے مطابق ہے اور اس میں سیاسی فوائد بھی مضمر ہیں جن
سے خرابیوں کی تلافی یا بہر طور جانچ ہو جاتی ہے۔

لیکن مجملاً اب اس سوال پر بحث کی گنجائش نہیں کہ آیا شور کی تجویز سے جو
تساہل پر مبنی تھی کوئی ایثار کرنا پڑتا۔ زمیندار حقیت اراضی کے تحفظ اور معمولی
اختیارات کی مسلّم حقوق کی صورت میں تبدیلی کے ساتھ ایک طویل مدت کے
بندوبست کو قبول کرنے پر راضی ہو جاتے۔ حکومت کے دستور اور ملازمان
دیوانی کے فرائض اور معاوضۂ خدمت میں تبدیلی کر کے جس کا بیان آگے آئے گا
حکومتِ ہند عہدہ داروں کی ایک ایسی جماعت کو تعلیم دے سکتی تھی جو زراعت
کے طریقوں کا گہرا علم حاصل کرتی اور نظم و نسق کے اصول اور ذیلی امور پر کامل ہمد

رکھتی۔ طریقِ زمینداری کی ہر میعادی یا کسی وقت کی تشخیص پر بہتر دفتری معلومات کے ذریعے نقائص کی ضرور جانچ پڑتال ہوتی اور بہت جلد ان کی اصلاح بھی ہو جاتی۔ یہ تشخیص غالباً اُس ہیجان کی پیدا کردہ قباحت پر غالب آجاتی جو قانونِ مالگزاری کی تبدیلی کے ساتھ لگا رہتا ہے۔ جیسا کہ واقعات سے ثابت ہوا ہے پٹّہ داروں اور شکمی داروں کے نفع کے متعلق جو کارروائی کی گئی اس کے لیے حکومت یوں مجبور تھی کہ بہ تقاضائے وقت حکام ضلع کی عرضداشتیں پیش ہوتی تھیں، کاشت کاروں کی جانب سے متواتر زبردست ہنگامے وقوع میں آتے تھے اور ایسی زیادتیاں سرزد ہوتی تھیں کہ وہ ناظم اور جج جو ان زیادتی کرنے والوں کے فیصلے کرتے تھے اکثر یہ خیال ظاہر کرنے پر مجبور ہوئے کہ زیادتیوں کے بارے میں گوناگوں عذرات کیے جاتے ہیں۔

تاہم یہ یاد رکھنا چاہیے کہ ایک صدی قبل صوبجات تشبیہی کا بندوبستِ کسی پامال طبقے کے مطالبات یا آزاد و مختار اخبارات کے واقف الحال اہلِ قلم کی طویل بحث و تمحیص کے باعث عمل میں نہیں آیا بلکہ اُس زمانے کی مشکلات کے سلسلے میں صرف وہی ایک صورت تھی جو بعض افراد کو ممکن نظر آئی۔ بندوبستِ مذکور کے خالص تجارتی و مالی پہلو پر غور کیا جائے تو اس کا نتیجہ یہ ہے کہ آیندہ مالگزاری کے متعلق ایک بڑا ایثار لازم آتا ہے۔ انتظامی حیثیت سے دیکھا جائے تو اس کی تکمیل کے لیے زیادہ قانونی تشریح اور سخت عملی نگرانی کی علانیہ ضرورت پائی جاتی ہے۔ لیکن جب ہم اس پر صرف سیاسی اعتبار سے نظر ڈالتے ہیں تو وہ خوف و خطر کے دُور کرنے اور شک و شبہ کے رفع کرنے کا ذریعہ معلوم ہوتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ بغاوت و مصیبت کے زمانے میں عمدہ طرزِ عمل کا اور اثر پذیر وفاداری سے تجاوز کر کے ثابت قدمی جیسی شے کا زبردست محرّک بھی ثابت ہوا ہے۔

اس بندوبست کے بعض بنیادی اصول معقول اور بکار آمد تھے چنانچہ محض ہندوستانی گماشتۂ تحصیل کی حیثیت بدل دی گئی خواہ وہ آیندہ موروثی ہو سکے یا نہ ہو سکے۔ بربنائے حقوقِ راجوں، سرداروں اور دوسرے اعلیٰ زمینداروں

کے مدارج تسلیم کیے گئے۔ اعلان کے اہم وسنجیدہ الفاظ کے ذریعے قلیل المیعاد و عارضی تجاویز جو سرکاری محاصل کی وصول یابی سے متعلق تھیں موقوف کر دی گئیں۔ اضافۂ لگان کی توقع سے دانشمندانہ انتظام کی ترغیبات پیدا ہوئیں اور تحفظ کا احساس، محدود ملکیت اور منتقلی و فروخت کا اختیار یہ سب امور اصولاً پاکیزہ تھے۔

صرف تجربے اور میراثِ ناکامی نے لارڈ کارنوالس کی رہنمائی کی۔ ذرائع و وسائل کی تلاش میں تنگ آکر اور ایک سے زائد محکموں میں اصلاحات کے لیے بے قرار ہو کر اس نے ایک ایسی حکمت عملی اختیار کی جس سے زمیندار، رعیت اور حکومت تینوں جماعتوں کے لحاظ سے اول یعنی زمیندار کی فلاح و بہبود کا یقین ہوا، دوم یعنی رعیت کے دعاوی کسی قدر ملتوی ہو گئے اور سوم یعنی حکومت کو اپنے مزید اضافے کے بارے میں ایثار کرنا پڑا۔

چوتھا باب

سیول سروس کی اصلاح

اس کتاب میں کارنوالس کا حال بہ حیثیت ایک ہندوستانی حکمراں کے اس سے زیادہ بیان کرنا تقریباً ناممکن ہے کہ اس کی مبسوط مراسلت سے کہیں کہیں اقتباسات دیے جائیں اور اس کے سیاسی خیالات کا خلاصہ پیش کیا جائے۔ لیکن گاہ بہ گاہ اس کے کسی خانگی اور راز کے خط سے ایسی پریشانیوں کا اظہار ہوتا ہے جن میں اس کے استقلال و تدبر کی آزمائش ہوئی نیز اُن سے ایسے مسائل کی توضیح ہوتی ہے جو تکلیف وہ تجربے کے بعد حل ہوئے، اس لیے اس خط کا اقتباس مشرح طور پر درج کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ اس قسم کا ایک خانگی اور راز کا خط ڈنڈاس کے نام ۱۴ر اپریل ۱۷۹۰ء کا لکھا ہوا ہے۔ اس وزیر نے ایسٹ انڈیا کمپنی کے ایک تجارتی و سیاسی جماعت ہونے کے بارے میں کارنوالس کو استفسارات کی ایک فہرست بھیجی تھی جو ہندوستان کے سیول تقررات کی سرپرستی کے حق، محکوم علاقوں کی بیرونی تجارت، ہندوستانی سپاہیوں سے انگریزی فوجوں کے تعلقات اور دیگر معاملات سے متعلق تھی۔

نظم ونسق کے تغیرات کی وجہ سے اب گورنر جنرل کی بعض رایوں میں صرف تاریخی دلچسپی باقی رہ گئی ہے البتہ دوسرے امور کے متعلق اس کے خیالات ہمارے زمانے کے حکام کے لیے اہم ہو سکتے ہیں اور اس نے ڈنڈاس کو جو مندرج ذیل جواب دیا وہ امن داخلی و انتظامی اصلاحات کے خلاصے کی ایک موزوں ابتدا ہے جن میں اس کی توجہ اور وقت کا زیادہ حصہ صرف ہوا اور جن کی بدولت بعد کو نہایت عمدہ اور دیرپا نتائج برآمد ہوئے۔

مجھے تسلیم کرنا چاہیے کہ یہ بات سننے سے خوش ہوں کہ اس منصوبے کے اصول ہنوز زیر غور ہیں اور آپ نے یہ استفسارات محض اس مفروضے کی بنا پر کیے ہیں کہ تجارتی شعبہ کمپنی کے حوالے کیا جا سکتا ہے اور دیگر محکمے حکومت کے تحت رکھے جا سکتے ہیں۔ آپ کی مجوزہ تفریق پر بہت سے اہم اعتراضات وارد ہوتے ہیں کیونکہ مجھے اپنی حد تک اس میں ذرا بھی شبہ نہیں ہے کہ دیوانی اور مالی محکموں کو شاہی حکومت کی بالراست نگرانی میں رکھنے سے کوئی معنوی فوائد حاصل نہ ہوں گے۔ اور مجھے کامل یقین ہے کہ اگر مربیانہ اعانت وحفاظت اور سب سے زیادہ ضروری شے یعنی برطانوی حکومت کی تنقیح ونگرانی تجارتی محکموں سے اٹھالی جائے تو کمپنی زیادہ مدت تک اپنے جدید منشور سے مستفید نہیں ہو سکتی اور قطعی طور پر اس کا بہت جلد دیوالہ نکل جائے گا۔

میں اس بات سے متعجب نہیں ہوں کہ مجلس نظما کے اُن پُرزور و تکلیف دہ انکاروں کے بعد جن کا آپ کو تجربہ ہوا ہے آپ یہ خواہش کریں کہ اس کے ہاتھ سے تابحد امکان کاروبار کا حصہ نکال لیا جائے۔ لیکن مجھے اس کا علم ہے کہ تمام قومی حکومتوں میں عظیم تبدیلیاں خطرے سے خالی نہیں ہوتیں اور چونکہ چند محرروں کو روانہ کرنے کا نام نہاد اقتدار مسٹر پیٹ جیسی حکومت کے لیے کوئی قدر وقیمت نہیں رکھتا اس لیے میں آپ کی کامل توجہ اس امر کی جانب مبذول کراؤں گا کہ کیا یہ دانشمندانہ فعل نہ ہوگا کہ آیندہ جب آپ کو حقوق منشوری کا مقابلہ کرنے کی مجبوری باقی نہ رہے اُس وقت نظمائے مذکور کے شاہی مرتبے یا محرروں کی نامزدگی کے اختیار میں خلل انداز ہوئے بغیر ان کے

ہاتھوں کو مادی نقصانات سے باز رکھنے کے لیے جکڑ دیا جائے تاکہ بجز اہم ترین صورتوں کے آپ کو اس خوفناک ہنگامے کا سامنا نہ کرنا پڑے جو ہندوستان کی سرپرستی کو تاج کے زیر اثر منتقل کرنے کے باعث پیدا ہوگا۔

میں بلا پس و پیش یہ بات مان لوں گا کہ مجلس نظما کو اگر موجودہ تشکیل کے ساتھ اس کی حالت پر چھوڑ دیا جائے تو وہ اس ملک کے کسی کاروباری شعبے کے فرائض ٹھیک طور پر انجام نہیں دے سکتی لیکن چند قیود کے تحت جب اس کی بہتر تنظیم ہو تو زمانۂ آیندہ کے کسی وزیر کی حریصانہ و ناشایستہ تجاویز کی روک تھام کے لیے مفید ثابت ہو سکتی ہے۔ لہذا ان نظما کو اس خیر منفی کے قابل بنانے کے لیے یا ان کو زیادہ شیر مثبت کے ارتکاب سے روکنے کے لیے تمام کاروبار کا ایک معین انتظام ان کے سپرد کیا جانا چاہیے اور انہیں اس بات کا مجاز نہ کرنا چاہیے کہ وہ آزادانہ طور پر اُن تجارتی فوائد کو برباد کر دیں جو برطانیہ کو اپنی ایشیائی مملکتوں سے حاصل کرنے چاہئیں۔

بلاشبہ آپ کی توجہ اس طرف معطوف کرائی گئی ہوگی کہ انڈیا کمپنی سابق میں محض اپنی تجارت کے بل بوتے پر قائم تھی اور اُس وقت بہ نسبت حالتِ موجودہ کے زیادہ دولت مند تھی اور آیندہ جب اس کے نظما کو سلطنتوں کے نظم ونسق میں کوئی حصہ نہ ملے گا تو وہ پھر ایسے ہی کفایت شعار تجار بن جائیں گے جیسے کہ وہ اب تک رہے ہیں۔ لیکن میرا خیال ہے کہ تجربے سے یہ نظریہ غلط ثابت ہوگا کیونکہ وہ حکمران بن جانے کے باعث اگر اپنے تاجرانہ اوصاف نہ کھو بیٹھیں تو اس ملک کے حالات ان کے زیر اقتدار رہنے کی وجہ سے بالکل بدل جائیں گے۔ اب ہندوستان میں بہ کثرت یورپین افراد رہتے ہیں اور ہر اہم گھاٹ پر اس قدر مسابقت کا خیال پیدا ہو گیا ہے کہ میری رائے میں ایک راست باز محکمۂ تجارت بھی کلکتے میں رہ کر مفید معاہدات نہیں کر سکتا اور پیداوار و صنعت کو بے قدر ہونے سے روک نہیں سکتا اور اس لیے جب تک مختلف کارخانوں پر کمپنی قابل اور مستعد نائب متعین نہ کرے اور ان مقامی نائبوں کو حکومت کے اقتدار کے ذریعے کمپنی کو دھوکا دینے سے جیسا کہ سابق میں ان کا عمل رہا ہے نہ روکے ہندوستان

کی بہترین تجارتی اشیا کے لیے لندن زیادہ مدت تک سب سے بڑا بازار نہ رہ سکے گا۔

اگر مجوزہ علیحدگی عمل میں آئے تو کوئی معزز یا خود دار شخص حتی الامکان کمپنی کی ملازمت میں نہ رہے گا اور جو رہ جائیں گے یا جو دیگر اشخاص بعد کو مقرر کیے جائیں گے انہیں ان ملازمین کے مقابلے میں جو ملک معظم کے تقررات کی بنا پر کارگزار ہوں گے جلد ایک ادنیٰ درجے کے لوگوں کا طبقہ سمجھا جائے گا۔ جس حقارت سے ان کے ساتھ برتاؤ ہوگا وہ ہندوستانیوں کی نظر سے پوشیدہ نہ رہے گا اور ان کے اہل و بکار آمد ہونے کے امکان میں فرق پڑ جائے گا خواہ وہ عادات و اطوار یا تجارتی معلومات کے لحاظ سے کمزور نہ ہوں خواہ یہ بھی فرض کیا جائے کہ کمپنی انہیں ان کی خدمات کا صلہ فیاضی سے دے سکتی ہے۔ جب ان برائیوں کے ساتھ جن کا میں نے ذکر کیا ہے اور جن کو کوئی شخص جو اس ملک سے واقف ہو فرضی نہیں کہہ سکتا آپ اُس دلالی کو بھی ملحوظ رکھیں گے جو ایوان ہند کے ایک ایسے شعبے میں لازمی طور پر پھیلے گی جہاں ایک خاص طریقے میں لوٹ کا بازار گرم ہے تو مجھے یقین ہے کہ آپ یہ تصور نہ فرمائیں گے کہ میں نے کمپنی کے دوالیہ ہو جانے کی پیش گوئی کرنے میں کوئی مبالغہ کیا ہے۔

اس سوال کے جواب میں کہ جب ملک کے نظم و نسق کے دیگر تمام شعبے حکومت اپنے ہاتھ میں لے لے گی تو کمپنی کے لیے اپنا تجارتی کاروبار چلانا ناممکن ہو جائے گا۔ بعض ایسے اشخاص جنہوں نے اس مسئلے پر کافی غور و خوض نہیں کیا یہ کہیں گے کہ "اگر کمپنی تجارت کا کاروبار نہیں چلا سکتی تو اُسے تمام قسمت آزماؤں کے لیے کھول دیا جائے"۔ لیکن اس طریقے کا میں اور بھی زیادہ مخالف ہوں کیوں کہ ایسی صورت میں حکومت کے لیے اُن من چلے منصوبہ بازوں کو روکنا مشکل ہو جائے گا جو تمام برطانوی علاقوں سے آ کر اس بدنصیب ملک کو تباہ کر ڈالیں گے، کاریگر جلد برباد ہو جائیں گے اور برآمد جو ہر سال مالیت میں کم ہوتی جائے گی اندھا دھند یورپ کے مختلف ممالک کو روانہ کی جانے لگے گی۔

چونکہ نیا انتظام صرف اسی وقت قائم ہوگا جبکہ موجودہ کمپنی کے حقوق

منسوخ ہو جائیں گے لہذا آپ پر منشورات شاہی کی خلاف ورزی کا الزام عائد نہ ہو سکے گا اور پارلیمنٹ میں مخالف جماعت کے اعتراضات، انتظام مذکور کی مناسبت اور قوت واثر کی جانچ تک محدود رہیں گے۔ میرے خیال میں مجھے آپ کے سامنے یہ دُہرانے کی ضرورت نہیں ہے کہ سب سے زیادہ یہ اشخاص آپ کی اُن ظاہری کوششوں سے فائدہ اُٹھائیں گے جو تاج کے اختیارات میں اضافہ کرنے پر مائل نظر آئیں گی اور یہ اضافہ معقول ترین دستوری اصول پر یا صریح ضرورت کی بنا پر بھی حق بجانب ثابت نہ ہو سکے گا اور اس کے ذریعے وہ آپ کے اصول ومقاصد کے متعلق غلط فہمیاں پیدا کر سکیں گے اور آپ کے خلاف ہندوستانیوں کے قلوب کو متاثر کرنے کی سعی کریں گے۔

تاج کے اختیارات میں اضافہ ایک حد تک میری رائے میں نہ صرف ایک درست عمل ہو گا بلکہ اس ملک کے آیندہ نظم ونسق کی بہتری کے لیے بدرجۂ غایت ضروری ہو گا۔

لیکن میرے خیال کے مطابق ہندوستان کی تجارت اور ملکی محصول کے انتظام کے متعلق ایک محدود مدت (مثلاً دس یا پندرہ سال) کے لیے کمپنی کے منشور کی تجدید اور اس کے ساتھ ایسی قیود و شرائط کا اضافہ جو مناسب متصور ہوں آپ کے منصوبے کی معقول ترین بنیاد ہو گا اور یہ طریق عمل نہ صرف آپ حضرات کے لیے بہ حیثیتِ وزرا مفید ہو گا بلکہ برطانیہ کو ہندوستان کے مقبوضات سے زیادہ سے زیادہ فوائد حاصل ہونے کا بہترین ذریعہ سمجھا جائے گا اور ہمارے خاص دستور کے اہم اصول کو کم سے کم ضرر پہنچائے گا۔

موجودہ مجلس نظما اتنے زیادہ ارکان پر مشتمل ہے اور سرکاری فرائض کی ذمہ داری جو افراد کے حصے میں آتی ہے اس قدر قلیل ہے کہ ان میں سے کسی کی نظر میں بھی اس کی کوئی بڑی وقعت نہیں ہے اور منفعت آمیز معاہدات میں شرکت سے یا احباب کی خدمت یا اقارب کی پرورش کے مواقع سے انہیں جو فوائد حاصل ہوتے ہیں ان سے ہمیشہ اُس نقصان کی کافی سے زیادہ تلافی ہو جانی چاہیے جو ایسے سرمائے کی جس پر ان کی رکنیت کا انحصار ہے بازاری قیمت میں کمی وبیشی کے باعث ہو۔ لہذا میرا خیال ہے کہ نظما کی تعداد گھٹا کر بارہ یا نو کر دینا عام طور

پر بہت مفید ہوگا اور اگر ان کی خدمات کے لیے معقول مشاہرے مقرر کیے جاسکیں تو میں صریحًا ایسے ذرائع اختیار کرنے کی تائید کرونگا جن سے ان کو معاہدات میں یا کسی قسم کے تجارتی کاروبار میں جس سے کمپنی کا خفیف سا بھی تعلق ہو بالواسطہ یا بلاواسطہ نفع حاصل کرنے سے روک دیا جائے۔

لیکن اس کے ساتھ ساتھ اگر کوئی ایک یا یہ دونوں تجویزیں منظور ہو جائیں تو بھی میں کسی طرح یہ سفارش نہ کروں گا کہ اُن کے ہاتھ میں کسی احاطے کے لیے گورنر، سپہ سالار یا مجلس اعلیٰ کے ارکان مقرر کرنے کا اختیار باقی رہے۔ قوم کا اعزاز اور مفاد، ہماری بری اور بحری فوجوں کی قسمتیں، مذکورہ بالا عہدہ دار اشخاص کے طرزِ عمل پر اس قدر زیادہ منحصر ہوتی ہیں کہ ان کی نامزدگی کا اختیار بجز برطانیہ کی حکومت عاملانہ کے کسی اور کو عطا نہ ہونا چاہیے۔ لیکن یہ تجویز اگرچہ موجودہ طریقے سے بہت زیادہ مختلف نہیں ہے جس کے ذریعے ملک معظم کو ان عہدہ داروں کی باز طلبی کا اختیار حاصل ہے تاہم اولًا سخت نظر آئے گی اور اس کی شدت کے ساتھ مخالفت کی جائے گی لہٰذا میں اس میں ہر ایسی اصلاح پر آمادہ ہوں جو ملک کی فلاح و بہبود اور حفاظت کے لیے موزوں ہو۔ میں بذریعۂ قانون یہ قرار دونگا کہ مجلس اعلیٰ کے سیول ارکان کا انتخاب کمپنی کے ایسے ملازمین تک محدود کر دیا جائے جن کی ملازمت ایک معیّنہ مدت (کم از کم بارہ سال) کی رہی ہو۔ ایسے افراد کے متعلق ہر راست باز شخص کے دل میں حاکمانہ سرپرستی کا کوئی خیال نہ آسکے گا اور مجلس نظما پر یہ امر چھوڑ دیا جائے کہ وہ ہندوستان کے عہدوں پر تقررات کے لیے ایسے عام قواعد بنائے جو لائق افراد کے انتخاب میں یکساں طور پر مستعمل ہوں اور ایسا سخت ترین انتظام قائم کرے جس سے وہ مختلف احاطوں کے ابواب مصارف میں سے ہر ایک پر نگرانی اور قابو رکھ سکے۔

میں اسی طرح یہ سفارش بھی کرونگا کہ خوب سمجھ بوجھ کر اس امر کا اعلان کیا جائے کہ مجلس نظما کو اس توقع کا حق ہونا چاہیے کہ ملک معظم کے وزرا اس کی تمام تحریکات پر بہت زیادہ توجہ کریں گے جو گورنر، سپہ سالار اور ارکان مجلس اعلیٰ سے متعلق ہوں گی اور جب اس قسم کے کسی معاملے میں اس کی شکایات پر

کوئی اطمینان بخش تدارک نہ کیا جائے تو اس کو اختیار ہونا چاہیے کہ وہ جس گورنر، سپہ سالار یا رکن مجلس اعلیٰ کا نام بتائے اُس کے واپس بلا لینے پر وہ مُصر رہ سکے اور ایسے گورنروں وغیرہ کے خلاف جن کا طرز عمل اس کی نظر میں قابل سزا ہو اُسے انتہائی سہولتیں اُس محکمۂ عدالت میں چارہ جوئی کے لیے عطا کی جانی چاہییں جو قانون پارلیمنٹ کے ذریعے ہندوستانی ملزمین کی تحقیقات کے لیے قائم کیا گیا ہے۔

فوجی انتظامات کے متعلق میری صریح رائے یہ ہے کہ یورپین افواج بالکل ملک معظم کی ہونی چاہییں کیونکہ تجربے سے ثابت ہوا ہے کہ کمپنی ہندوستان میں ایک عمدہ یورپین فوج قائم نہیں رکھ سکتی اور یہ واقعہ اس قدر طشت از بام ہو گیا ہے کہ کوئی فوجی شخص جو ہندوستان میں رہا ہو اس سے انکار نہیں کر سکتا اور اس ضمن میں میرا نام خواہ کیسے ہی زور کے ساتھ بطور سند پیش کیا جائے مجھے اس کی پروا نہ ہوگی۔

بہرکیف ہندوستانی افواج کا معاملہ بالکل مختلف ہے۔ رفاہِ عام کے لیے یہ نہایت انسب ہے اور فی الحقیقت قطعاً ضروری ہے کہ ان افواج میں جو افسر ملازمت کا عزم بالجزم رکھتے ہوں وہ اپنی زندگی کے ابتدائی دور ہی میں اس کے لیے نکل آئیں اور خود کو بہمہ وجوہ ہندوستان کی خدمت کے لیے وقف کر دیں۔ اس ملازمت کے لیے زبان سے کامل واقفیت اور سپاہیوں کے رسم و رواج اور مذہبی تعصبات پر گہری توجہ ایسے لوازم ہیں جنہیں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اگر یہ افسر ملک معظم کی فوج کا ایک حصہ قرار پائیں تو جلد یہ طریقہ رائج ہو جائے گا کہ یہ اپنے عہدوں کو انگلستان کے تباہ حال افسروں سے بدل لیا کریں گے جو یہاں آکر اپنے زیر دست عہدہ داروں کی نظر میں حقیر ہوں گے اور جن سے سپاہی نفرت کرنے لگیں گے اور آپ پر یہ ظاہر کرنے کی ضرورت نہیں ہے کہ اس ملک میں ہمارے قیام کے متعلق ہندوستانی افواج کی بد دلی کس قدر خطرناک ہوگی۔ لہٰذا میرا خیال ہے کہ چونکہ آپ اس مخصوص حق پر جو ملک معظم کو اپنی افواج کے تبدل یا ترقی کے بارے میں حاصل ہے کوئی قانونی قیود عاید نہیں کر سکتے اس لیے یہ محفوظ ترین عمل ہوگا کہ ہندوستانی افواج کو کمپنی کے

تحت ہی رہنے دیا جائے اور ایسا کرنے کے بعد بھی آپ مجلس نظما کو کیڈٹوں کے تقررات کا اختیار دیں اور بالضرور ایک حد تک اس طریقے کو عام پسند بنائیں۔

جو متبادل طریقہ بتایا جائے گا اس کے لحاظ سے مجلس نظما کو سیول سروس کے شعبوں میں محرروں اور ہندوستانی افواج میں کیڈٹوں کو مقرر کرنے کا اختیار حاصل رہے گا اور یہ اختیار بھی کہ وہ ایسے چند عام قواعد مرتب کرے جیسے کہ میں نے حکومت ہند کی جانب سے عہدوں کا انتظام ہونے اور ان قواعد کی خلاف ورزی کی صورت میں گورنروں وغیرہ سے فوری باز پرس کرنے کے متعلق بیان کیے ہیں۔ لیکن نظما کو سختی کے ساتھ اس ملک کے عہدوں پر اپنے ملازمین کو مقرر کرنے یا ان کے تقرر کی سفارش کرنے سے ممنوع کر دینا چاہیے کیوں کہ اس قسم کی سفارشات یا تقررات عموماً سازش یا خوشامد کی وجہ سے ہوتے ہیں نہ کہ حقیقی اوصاف یا معقول دعاوی کے واجبی لحاظ سے اور انگلستان کی اس قسم کی مداخلت سے ہمیشہ کچھ نہ کچھ کمزوری حکومت ہند کے اقتدار میں پیدا ہونی ضروری ہے۔

اس مفروضے پر کہ منشورات شاہی کی تجدید ہو گی مجھے عام بہبود کے لیے یہ بہت ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ملک معظم کے وزرا کے اختیارِ تنقیح و نگرانی کو کمپنی کے معاملات کے ہر شعبے تک بلا استثنائے کاروبار تجارت وسیع کر دیا جائے۔ اور چوں کہ نگران کار جماعت اور مجلس نظما کے مابین حجت و تکرار سے ہمیشہ عام مفاد کو نقصان پہنچنا لازمی ہے خواہ وہ ایک طرف کی ناجائز دست درازیوں کے باعث ہو خواہ دوسری طرف کی ضد یا بے جا ہٹ کا نتیجہ ہو۔ اس لیے یہ خاص طور پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ وزرا کے اختیارِ تنقیح و نگرانی کی وسعت ہی کو نہیں بلکہ جس طریقے سے وہ اس اختیار کا استعمال کرتے ہیں اُسے بھی اس قدر واضح طور پر معین کر دینا چاہیے کہ حتی الامکان غلط فہمیوں یا جھگڑوں کے کُل مواقع کا سدّباب ہو جائے۔"

طریقِ مالگزاری کا انتظام جو بالکل جدید نہ ہونے کے باوجود ایک سے زائد اہم و نادر خصوصیات ظاہر کرتا تھا ملک کی خوش حالی یا رعایا کی رضامندی کا یقین

دلانے کے قابل اُس وقت تک نہ سمجھا گیا جب تک کہ سیول سروس کی اصلاح اور شمل اضلاع کے کلکٹروں کے اُن اشخاص کی ماموری کے لیے تجاویز اختیار نہ کی گئیں جن پر بدعنوانیوں کا کوئی اثر نہ پڑنے کا اعتماد کیا جا سکتا تھا۔ جب کارنوالس ہندوستان پہنچا اُس وقت ساری ملازمت کم و بیش ایک انقلابی حالت میں تھی۔ ابھی تک ملازمین تجارتی مہمات میں مشغول تھے اور اس کے ساتھ ساتھ ان ملازمین سے نظم و نسق کے کاروبار انجام دینے اور انتظامی عہدے پُر کرنے کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ ان کو اکثر تحفے اور کمیشن کی صورت میں معاوضہ ملا کرتا تھا اور بالائی یافت کے علاوہ ان کا بڑے بڑے تحفے قبول کرنا ایک عام بات تھی۔ اس بدتر صورتِ حالات کے باقی آثار میں یہ بھی تھا کہ ارکانِ مجلس اعلیٰ جیسے بلند رتبے کے اشخاص لاکھوں روپیے ایک نواب یا غدار کو دوسرے پر ترجیح دینے کے عوض قبول کرنے میں تامل نہ کرتے تھے۔ رشوت ستانی کے نمایاں واقعات لکھنؤ بنارس اور مدراس میں پیش آ چکے تھے اور یہ تسلیم کیا جانا چاہیے کہ مجلس نظامت نے جس طریقے کا مشاہدہ کیا تھا اور جسے تقریباً پسند بھی کیا تھا اس کے تحت اس کے ملازمین باوجود اہم ذمہ داریوں کی خدمات پر مامور ہونے اور متعدد ترغیبات میں گھرے ہوئے رہنے کے قلیل مشاہرے پاتے تھے اور ان کو اجازت تھی کہ وہ اس کمی کی تلافی غیر معمولی بڑی بڑی یک مشت رقوم سے کریں۔ حتیٰ کہ جب گورنر جنرل نے سخت الفاظ میں کسی اصلاح کی ضرورت پر توجہ دلائی تو نظا کی پھر یہی رائے ہوئی کہ کلکٹروں کو کچھ رقم کمیشن سے اور کچھ مقررہ تنخواہوں کے ذریعے ادا کی جائے لیکن ان کی خدمات کے معاوضے کا بیشتر حصہ کمیشن ہونا چاہیے۔

بنارس کا رزیڈنٹ جو درحقیقت اس صوبے میں بلا روک ٹوک نہایت مطلق العنانی کے ساتھ اختیارات کا استعمال کرتا تھا ماہانہ صرف ایک ہزار روپیے پاتا تھا۔ لیکن اس کے سوا تجارتی اور دیگر معاملات کے ٹھیکوں سے اُس کو سالانہ چار لاکھ کی آمدنی تھی۔ دوسرے مقامات پر کلکٹر تجارتی سٹے بٹے میں کسی عزیز یا دوست کے نام سے شریک ہوتے تھے اور یہ بے محابا کہا جا سکتا ہے کہ جہاں کوئی کلکٹر ماہانہ بارہ سو روپیے سے زیادہ نہیں پاتا تھا وہاں اس کی ناجائز اور

بالائی آمدنی اس سے کہیں زیادہ ہوتی تھی۔ کارنوالس فوراً سمجھ گیا کہ بدعملیوں کو روکنے، انتظام برقرار رکھنے اور عزت و ذمہ داری کا احساس پیدا کرنے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ معقول تنخواہیں دی جائیں اور تنخواہ پانیوں کو اُن کے مقررہ کام کی حد تک رکھا جائے۔ اس وقت سے تجارت ممنوع قرار پائی اور اگر کمیشن کی اجازت دی بھی جاتی تو اس کی مقدار اصل تحصیل وصول پر فی صد کے حساب سے معین ہوتی تھی۔ یہ منضبط طریق تادیہ بھی (اگرچہ بوقت نفاذ بالکل) مناسب اور منصفانہ تھا لیکن بالآخر موقوف کر دیا گیا۔

دستور و نوعیت ملازمت میں دیگر خرابیاں بھی تھیں جو پوشیدہ نہ رہ سکتی تھیں۔ فوجداری انتظامات نواب ناظم اور اس کے ہندوستانی ماتحتین کے ہاتھوں میں چھوڑ دیے گئے تھے جیسا کہ آئندہ دیوانی و فوجداری عدالت کے جدید انتظامات کے بیان میں تفصیل سے بتایا جائے گا۔ وارن ہیسٹنگز کے زمانے سے کلکٹروں کو مالی ذمہ داریوں کے علاوہ دیوانی مقدمات میں چند عدالتی اختیارات بھی سونپے گئے تھے۔ کارنوالس تو یہاں تک بیان کرتا ہے کہ کمپنی کے تمام صوبوں میں دیوانی عدالتیں کئی سال تک کمپنی کے ملازمین کے ہاتھوں میں رہی تھیں۔ کلکٹر اپنے فرائضِ مالگزاری کے علاوہ افسر مال کی حیثیت سے ایک عدالتِ مال کا انعقاد کیا کرتا تھا جس میں وہ تمام ایسے مقدمات کا تصفیہ کرتا تھا جو زمینداروں اور کاشتکاروں کے حقوق کے متعلق ہوتے اور اُن تنازعات کا بھی جو اُن کے اور اُن کے ملازمین کے مابین پیدا ہوتے تھے۔ یہ فیصلہ کیا گیا کہ مال کی ان عدالتوں کو جن میں سیول عہدہ دار بہ حیثیت جج نیز بہ حیثیتِ کلکٹر کارفرما ہوتا تھا برخاست کر دیا جائے اور کل عدالتی اختیارات اور تمام حقوق نیز تمام دیوانی مقدمات کے تصفیے کو ایک باقاعدہ عدالتی محکمے کے سپرد کر دیا جائے۔ یہاں قبل از وقت یہ ذکر کیا جا سکتا ہے کہ کارنوالس کی واپسی کے چھ سال بعد کلکٹروں کو پھر اُن تمام دعاوی میں جو زمینداروں کی جانب سے رعایا پر سالِ رواں کے واجب الوصول لگان کے متعلق دائر ہوں سرسری تحقیقات کر کے فیصلے کرنے کا اختیار دیا گیا۔

لیکن اس استثنا کے سوا ۱۷۹۳ء کے بعد کلکٹر کو اس کے مقررہ فرائض

کی حد تک رکھا گیا جو اُسے مشغول رکھنے اور اس کے دفتری معلومات میں اضافہ کرنے کے لیے بالکل کافی تھے۔ جن اضلاع پر یہ کلکٹر مقرر ہوتے تھے وہ حدود میں نہایت وسیع تھے۔ جیسور کا ضلع ایک طرف چوبیس پرگنے سے اور دوسری طرف گنگا پار کے ضلع راج شاہی سے ملا ہوا تھا۔ اور تیس یا چالیس سال کے بعد ان اضلاع کی نیز دیگر اضلاع کی وسعتِ حدود میں کمی کر دی گئی جب کہ باراسات، بوگرہ، پبنا وغیرہ جیسے چھوٹے اور آزاد اضلاع کا قیام عمل میں آیا۔

مختصر یہ کہ کارنوالس نے کلکٹر کو ایک معیّن، اہم اور معقول مشاہرے کی خدمت پر مامور کر دیا۔ وہ ایک وسیع رقبے کی مالگزاری کا ذمہ دار تھا جو مقدار میں دس لاکھ سے بیس لاکھ روپیے تک ہوتی تھی۔ وہ نابالغوں اور ایسے مالکانِ اراضی کی جائدادوں کا محافظ ہوتا تھا جو فتورِ عقل یا دیگر عوارض سے ناکارہ ہو گئے ہوں اور وہ اُن تمام جائدادوں کا نگران تھا جو "خاص" کہلاتی تھیں یعنی جن پر حکومت نے زمیندارانہ یا مالکانہ حقوق حاصل کر لیے تھے۔ وہ وظیفہ خواروں اور معاوضۂ خدمت کا بھتّہ پانے والوں کا خزانچی تھا۔ مفسد حصہ داروں کی جائدادوں کی تقسیم کے لیے وہ مسلّم عہدہ دار تھا اور بذاتِ خود ہر حصّے کی مالگزاری کی ذمہ داری کا تعین بھی کرتا تھا۔ وہ شرابوں پر محصول وصول کرتا تھا اور باقی دار مالکانِ اراضی کی جائدادوں کا عام نیلام کرا سکتا تھا۔ وہ باقاعدہ طور پر مجلس مال کا ماتحت قرار دیا گیا تھا جس سے اُس کو پابندی کے ساتھ مراسلت کرنی پڑتی تھی۔

کلکٹر کے متعلق انگلستان میں عام خیال یہ ہے یا تھا کہ وہ ایک ایسا شخص ہے جو بیاض، چند طبع شدہ کاغذات، فردِ حسابات اور تختۂ مطالبات کے ساتھ ملکۂ معظمہ کے محصول یا ابواب حلقۂ مذہبی کی وصول یابی کے لیے وقت بے وقت پھرتا رہتا ہے اور جس کو مالکانِ مکانات حقارت اور نفرت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔

کارنوالس کے زمانے سے اینگلو انڈین کلکٹر، متولّی نابالغاں بن گیا نیز عدالتِ مال کے فرائض انجام دینے لگا اور اس کی رواداری، نیک نیتی، کاردانی اور نگرانی پر اُن تمام باشندوں کی فلاح و بہبود منحصر تھی جن کی تعداد ویرانوں اور جنگلوں کی کثرت کے زمانے میں بھی کسی ایک ضلع میں بالعموم پانچ یا دس لاکھ

نفوس سے کم نہ ہوتی تھی۔ اس کے علاوہ سرکاری محصول کی وصول یابی بھی اِسی کے ذمے تھی۔

دوامی بندوبست اور کلکٹروں کے ضروری اور مناسب فرائض کی حدبندی کا کام اب ختم ہو چکا تھا، لیکن یہ کہنے کے لیے کہ سیول سروس کا نفوذ بنگال اور بہار کے کُل انتظامی اور عدالتی محکموں میں ہو گیا ہے ابھی بہت کچھ کرنا باقی تھا۔ جرائم کی تفتیش اور سزادہی کے امور جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے نواب ناظم کے ہاتھ میں چھوڑ دیے گئے تھے جس کو ملک کا برائے نام فرماں روا کہا جاسکتا ہے۔ اس کے نتائج جان و مِلک کے لیے تباہی خیز ثابت ہوئے۔ دارالحکومت کے ضلع ہُگلی کا فوجدار دس ہزار پونڈ یا ایک لاکھ روپیے سالانہ پاتا تھا اور ڈکیتی کلکتے کے عین قرب و جوار میں مرہٹوں کی حدود خندق پر اور درحقیقت تمام صوبجات نشیبی میں جاری تھی۔

فوجداری تحقیقات ہندوستانی جج کیا کرتے تھے۔ یہ سچ ہے کہ ایک عدالتِ مرافعہ پہلے ہی سے قایم تھی جو صدر دیوانی و نظامت عدالت کہلاتی تھی اور مالگزاری کے انگریز کلکٹر کے متعلق یہ فرض کیا جاتا تھا کہ وہ اضلاع کے ہندستانی مجسٹریٹوں کی کارروائیوں پر نگرانی رکھے گا اور یہ دیکھے گا کہ گواہوں کے بیانات مناسب طور پر قلم بند کیے جاتے ہیں اور کارروائیاں ایک حد تک صحیح اور غیر جانبدارانہ طریقے پر ہوتی ہیں۔ لیکن ۱۷۹۳ء کے متعدد ضوابط و قوانین کی تمہیدوں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ عدالت ہائے دیوانی و فوجداری میں بہت پراگندگی، اختلافِ عمل درآمد اور حدِّ اختیار کا عدم تعین ضرور رہا ہے۔ فی الحقیقت ان قوانین میں سے ایک کی عبارتِ تمہید اس قدر اہم ہے اور وہ ہندوستانی عہدہ داروں کی نااہلی اور ان کے کاروبار میں انگریز کلکٹروں کی مفید طور پر دست اندازی نہ ہو سکنے کی مجبوری کو اس وضاحت کے ساتھ نمایاں کرتی ہے کہ عبارتِ مذکور کو یہاں تفصیل کے ساتھ نقل کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ ۱۷۹۳ء کے ضابطۂ نہم میں گورنر جنرل مختصر طور پر اس صورتِ حال کی کامل تبدیلی کے متعلق حسب ذیل الفاظ میں یوں بیان کرتا ہے:

ا۔ صدر مجلس اعلیٰ کے منظور کردہ ضوابط مورخہ ۲۱ راگست ۱۷۷۲ء کے بموجب صوبوں کے اندرونی حصّوں میں ملزموں کی بداطواریوں یا جرموں کی تحقیقات کے لیے فوجداری عدالتیں قائم کی گئیں اور مالگزاری کے کلکٹروں کو جو کمپنی کے ملازمانِ متعہد تھے یہ ہدایت کی گئی کہ وہ ان عدالتوں کے حکام کی کارروائیوں کی نگرانی کریں اور دیکھیں کہ تحقیقات کے وقت ضروری شہادت طلب اور قلم بند کی جاتی ہے اور اسے مناسب وقعت دی جاتی ہے اور جو فیصلے کیے جاتے ہیں وہ منصفانہ اور غیر جانبدارانہ ہوتے ہیں۔ انھیں ضوابط کے ذریعے ایک علیحدہ اور اعلیٰ عدالتِ فوجداری موسوم بہ نظامت عدالت، مرشد آباد میں قائم کی گئی تاکہ یہ سنگین مقدمات میں صوبہ جاتی عدالت ہائے فوجداری کی کارروائیوں کی نگرانی کرے اور مرشد آباد کی کمیٹی مالگزاری کو اس عدالت پر ایسا ہی اختیار دیا گیا جیسا کہ مالگزاری کے کلکٹر صوبہ جاتی عدالتوں میں اس کے استعمال کے مجاز تھے۔ مرشد آباد کی کمیٹی مالگزاری کی شکست پر نظامت عدالت کلکتے میں منتقل ہوگئی اور ایک داروغہ یا نگران کے تحت کر دی گئی جو صدر مجلس اعلیٰ کے زیر اقتدار تھا اور عدالت ہائے فوجداری کے سنگین مقدمات کے فیصلوں کی نظرِ ثانی کرتا تھا۔ انتظاماتِ مذکور بغیر کسی تغیر عظیم کے ۱۸ راکتوبر ۱۷۷۵ء تک نافذ رہے جبکہ محکمۂ عدالت فوجداری کی کامل نگرانی نائب ناظم کے سپرد کر دی گئی۔ انجام کار نظامت عدالت دوبارہ مرشد آباد میں قائم کی گئی اور نائب ناظم نے ہندوستانی عہدہ داروں کو جو فوجدار کہلاتے تھے اور ان کی امداد کے لیے شرعِ اسلام کے ماہر فقیہوں کو مقرر کیا کہ مختلف اضلاع کی عدالت ہائے فوجداری پر نگرانی رکھیں اور اُن اشخاص کو گرفتار کرنے کے تحقیقات کریں جو امن عام میں مخل ہوں۔ یہ انتظام بغیر کسی اہم تبدیلی کے ٦ راپریل ۱۷۸۱ء تک جاری رہا جب کہ فوجداروں کی خدمات سے مطلوبہ اغراض پوری نہ ہونے کے باعث فوجداروں اور ان کے زیر دست تھانہ داروں یا پولیس کے افسروں کے عام عملے کو برخاست کر دیا گیا۔ لیکن مختلف علاقوں میں فوجداری عدالتیں بحال رکھی گئیں جو حسب سابق نائب ناظم یا نگران نظامت عدالت کے زیر نگرانی رہیں اور دیوانی عدالتوں کے انگریز جج مجسٹریٹ بنائے گئے اور انہیں یہ اختیار دیا گیا کہ وہ ڈاکوؤں یا شدید و خفیف جرائم کے

مرتکب اشخاص کو اپنی متعلقہ حدود میں گرفتار کر کے تحقیقات کے لیے قریب ترین عدالتِ فوجداری کے سپرد کر دیں۔ اس مقصد سے کہ فوجداری مقدمات میں عدل گستری پر حکومت ایک حد تک نگرانی رکھنے کے قابل ہو سکے ایک علیحدہ محکمہ بھی اسی زمانے میں گورنر جنرل کے زیر اقتدار احاطے میں قایم کیا گیا تاکہ اس محکمے میں عدالت ہائے فوجداری کے صادر کردہ احکامِ سزا کی رُوداد یں ہر ماہ وصول ہوا کریں اور اس فرض میں گورنر جنرل کی اعانت کے لیے کمپنی کے ایک سیول ملازم متعہد کا تقرر عمل میں آیا جو مشیرِ عدالت ہائے فوجداری کے عہدے سے ممتاز ہوا۔

لیکن انگریز مجسٹریٹوں کا اقتدار زمینداروں اور دیگر مالکانِ اراضی پر غیر موثر ہونے کی وجہ سے فوجداری مقدمات میں عدل گستری کے متعلق بہت رکاوٹیں پیدا ہو گئیں اور اس ضابطے سے جس کی بنا پر مجسٹریٹوں کو یہ اختیار حاصل تھا کہ مجرمین کو گرفتار کریں مگر وہ کسی طور پر بھی ان کی تحقیقات میں دخل دینے کے مجاز نہ تھے ایک نئی قباحت رُونما ہو گئی۔ چوں کہ مجسٹریٹ پابند تھے کہ اُن تمام اشخاص کو جن پر نقضِ امن کا الزام لگایا گیا ہو خواہ وہ کیسا ہی خفیف ہو، فوجداری عدالتوں کے داروغوں یا نگرانوں کے حوالے کر دیں اور چونکہ اکثر بہت سا وقت ان کی تحقیقات کی نوبت آنے تک گزر جایا کرتا تھا اور غریب ترین اور ادنیٰ ترین طبقے کے متعدد اشخاص ایک طویل مدت تک اکثر قید میں پڑے رہتے تھے جہاں ان کی تکالیف ان کے جرائم کی حد سے نسبتہً زیادہ بڑھ جاتی تھیں، اس لیے مجسٹریٹوں کو، ۱۰ر جون ۱۷۸۱ء سے یہ اختیار دیا گیا کہ وہ معمولی ہنگاموں، فحش کلامیوں اور دیگر خفیف جرموں کے استغاثوں کی سماعت کر کے ان کے فیصلے کریں اور چند قیود کے تحت مجرمین کو جسمانی سزائیں اور اُن پر جرمانے عائد کریں۔

لیکن متعدد سرقے، قتل اور دیگر سنگین جرایم جو سارے ملک میں روزانہ ہوتے رہتے تھے یہ ثابت کرتے تھے کہ عدالت فوجداری کا انتظام ابھی تک نہایت ناقص حالت میں تھا اور چوں کہ یہ نقائص زیادہ تر نتیجہ معلوم ہوتے تھے اُس طویل توقف کا جو مجرمین کو سزا دینے میں واقع ہوتا تھا اور قانون کے نامناسب

طور پر نافذ نہ کیے جانے کا نیز اُن دیگر اہم معائب کا جو عدالت ہائے فوجداری کے دستور میں باقی تھے اور چوں کہ جرایم کی روک تھام کے لیے یہ لازم تھا کہ نہ صرف مجرمین اُن ذرایع سے محروم کر دیے جائیں جن کی مدد سے وہ عہدہ دارانِ عدالت کے تعاقب سے بچ نکلتے ہیں بلکہ جب وہ گرفتار ہو جائیں تو فوراً ان کی غیر جانبدارانہ تحقیقات کی جائے، اس لیے گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل نے ۳ر دسمبر ۱۷۹۰ء کو چند ضوابط نافذ کیے جن کے ذریعے عدالت ہائے دورۂ انگریز ججوں کے زیر نگرانی قایم کی گئیں اور ان کی اعانت کے لیے ہندوستانی فقیہ مقرر ہوئے تاکہ یہ جج اور فقیہ بصیغۂ ابتدائی ایسے اشخاص کے مقدمات کی تحقیقات کریں جن پر جرایم شدید یا خفیف کا الزام عائد ہو اور گورنر جنرل نیز ارکانِ مجلس اعلیٰ کو اس امر کا موقع دیں کہ وہ نظامت عدالت کے اجلاس میں شامل ہوں (جو اس غرض کے لیے پھر کلکتے میں منتقل کر دی گئی) اور تمام حصص صوبہ جات کے انتظامِ عدالت ہائے فوجداری کی نگرانی کریں۔ یہ ضوابط ترمیمات مابعد کے ساتھ اب مع مزید ترمیمات و تغیرات کے دوبارہ نافذ کیے گئے ہیں[۱]۔

۱؎ اس تذکرے کے مصنف نے اپنی ملازمت کے ابتدائی سنین میں اُن فوجداری عدالتوں کی بعض قدیم مثلوں کا پتہ چلایا جو فوجداروں کے زیر اقتدار تھیں اور جن کا وجود ابھی تک ہے اور ان کے معائنے سے اُسے ایک طریق عمل معلوم ہوا جو روبکاری (یعنی تجویز و حکم سزائے عدالت) کے نام سے مشہور تھا۔ یہ روبکاری بہت مختصر اور مجمل ہوتی تھی اور اس حکم پر ختم ہوا کرتی تھی کہ ملزم "قید باشد"۔ بالفاظ دیگر یہ کہ اُسے محبس روانہ کر دیا جائے۔ کوئی مدت کسی سورت میں بھی مقرر نہیں کیجاتی تھی اور ۱۸۴۵ء کے زمانے تک مجسٹریٹ کے دفتر کے قدیم ہندوستانی عملے کا یہ عمل درآمد تھا کہ جو شخص اپنے کسی پڑوسی کے چاول کا سرقہ کرنے کی وجہ سے غیر معین مدت کی سزا کا حکم سنتا اُس کو کئی سال تک قید میں رہنا پڑتا۔ اس امر کا ذکر بھی ضروری ہے کہ انتظام محبس کے قواعد اُس زمانے میں اور نہ بعد کو کئی سال تک سخت کیے گئے۔ قیدیوں کے مسکن رات کو مقفل کر دیے جاتے تھے لیکن دن کو انہیں بہت کچھ آزادی حاصل ہوتی تھی، وہ بازاروں میں اِدھر اُدھر پھرتے، سڑکوں کی مرمت اور وہاں کی موریوں کی صفائی کا کچھ کام کرتے یا کرنے کا بہانہ کرتے، اپنے احباب سے ملتے اور اکثر تمبا کو، مٹھائی اور دیگر اشیائے خورد و نوش حاصل کرتے تھے۔

مذکورہ بالا اقتباس جو اس زمانے کے جدید مجموعۂ قوانین سے لیا گیا ہے اور دیگر اسی قسم کے بیانات اس امر کو واضح کرتے ہیں کہ انتہائی احتیاط کے ساتھ حکومت اپنے اوپر ذمہ داریاں لینے اور اصلاحات جاری کرنے لگی۔ یہ تغیّرات موجودہ زمانے کے ناظرین اور منتظمین کو آسان اور فطری معلوم ہوتے ہیں۔ ایسے کلکٹر جو صرف ہندوستانی ججوں کو ہدایت کر سکتے ہوں، ایسے انگریز مجسٹریٹ جو مجرمین کو گرفتار کر سکتے ہوں لیکن ان کے متعلق تحقیقات نہ کر سکتے ہوں، ایسی حکومت جو ایک ثالث کی حیثیت سے کام کرتی ہو اور سنگین مقدمات میں غیر منصفانہ سزاؤں کو روک سکتی ہو لیکن تحقیقات مقدمہ کی ابتدائی منازل میں کسی جائز غرض کے ساتھ مداخلت نہ کر سکتی ہو یہ سب امور ظاہر ہے کہ ایسے وسائل نہ تھے جنہیں ایک ایسی آبادی کے انتظام کے لیے موزوں سمجھا جائے جو خواہ کیسی ہی صلح پسند اور بالعموم اصلاح پذیر ہو شہروں اور دیہاتوں میں اپنے اندر جرم و بدامنی کے متعدد عناصر رکھتی تھی۔ کارنوالس نے چند تجاویز کی آزمائش کے بعد تمام ملک کو اضلاع میں تقسیم کر دیا جن پر انگریز جج اور مجسٹریٹ بہ حیثیتِ حاکم مقرر ہوئے۔ ان اضلاع میں سے تقریباً پچیس (۲۵) پر اس نے ایک سیول اور سشن جج کا تقرر کیا۔ چار بڑے شہروں یعنی کلکتے، پٹنے، ڈھاکے اور مرشد آباد میں اس نے صوبجاتی عدالت ہائے مرافعہ قایم کیں یعنی وہ عدالتیں جو عدالتِ ضلع اور صدر عدالت یا آخری اعلیٰ ترین عدالت کی درمیانی کڑی تھیں۔ ایک اور قانون نافذ ہوا جس سے صدر عدالت کی حدِ اختیار کی توسیع و توضیح ہوئی۔ ان قوانین میں صریح مگر بعض متعلقہ صورتوں میں دقیق قواعدِ کارروائی شامل کیے گئے۔

مناسب وسعت کے عدالتی اختیارات کے ساتھ تمام اضلاع پر مجسٹریٹ مقرر کیے گئے اور ان کے تحت داروغوں یا پولیس کے افسروں کو جرایم کی سراغ رسانی اور روک تھام کے لیے رکھا گیا۔ دیوانی مقدمات میں انگریز جج کو اصلی و ذاتی جائداد، لگان اراضی، قرضے، حساب کتاب، حصہ داری، شادی ذات پات، وراثت اور ہرجے سے متعلق مختصر یہ کہ جمیع اقسام کے دیوانی مقدمات کی سماعت اور ان کے فیصلے کرنے کا اختیار حاصل تھا۔ فوجداری تحقیقات

میں جو قانون قابل پابندی ہو سکتا تھا وہ شرع اسلام کا قانون تھا۔ لیکن اس قانون کی مکروہیت میں کمی اور اس کی لغویت کی اصلاح کرنے کے لیے فوراً تدابیر اختیار کی گئیں۔ وحشیانہ سزا مثلاً قطع اعضا کو روا نہیں رکھا گیا۔ اسلامی قواعدِ شہادت میں ترمیم کر کے ان کو عدالت ہائے انگلستان کے قواعدِ شہادت کے مماثل کر دیا گیا۔ ہندو فریقین کے دیوانی مقدمات میں جج کی امداد ایک ہندوستانی پنڈت کرتا تھا جو وراثت، شادی، ذات پات اور اسی قسم کے دیگر معاملات پر مشورے دیتا تھا۔ اسی طرح اُن مقدمات میں جہاں دونوں فریق مسلمان ہوتے تھے شرع اسلام پر عمل کیا جاتا تھا۔ جب متنازعین مختلف مذاہب کے ہوتے تو انگریز جج کو معدلت و روشن ضمیری کی ہدایات پر کاربند ہونا پڑتا تھا۔ اس کے ہندوستانی مشیرانِ قانونی میں سب سے پہلے پنڈت کو موقوف کر دیا گیا گو اس کی خدمت سنہ۱۸۲۱ء تک قایم رہی تھی۔ لیکن سنہ۱۸۶۲ء میں مجموعۂ تعزیرات و مجموعۂ ضوابط فوجداری کے نافذ ہونے تک قاضی یا مولوی کا عہدہ بعض اضلاع میں باقی رہا۔

اگرچہ وارن ہیسٹنگز اور خود کارنوالس نے صوبے کے دیوانی و فوجداری نظم و نسق کی اصلاح کی کوششیں کی تھیں اور چند تغیرات اور اصلاحات بالکل اس مقصد سے کی گئی تھیں کہ زیادہ سے زیادہ اختیارات انگریزوں کے ہاتھوں میں دے دیے جائیں تاہم اس انتظام کی تکمیل کی تاریخ سنہ۱۷۹۳ء قرار پائی ہے جو کارنوالس کے عہدِ حکومت کا آخری سال تھا۔ ہر دیوانی ملازم نے اس صدی کی ابتدا سے اس تاریخ

---

(۲) ۔ یہاں فرنگی مصنف کتاب نے شرع اسلام کے متعلق نہایت نازیبا الفاظ (یعنی "مکروہیت اور لغویت" معاذ اللہ) استعمال کیے ہیں جو مسلمانوں کے لیے ناقابل برداشت ہیں۔ ہر قوم کے فرد کا یہ فرض ہے کہ وہ دیگر قوم کے مذہبی جذبات و احساسات کا احترام کرے مگر باوجود اس کے کہ مصنف سرکاری ملازم کی حیثیت سے ہندوستان میں مقیم رہا اور اس ملک کی مسلم جماعت کی پاکیزہ صحبتوں سے فیض یاب ہوتا ہم بمصداق پاجی بہ طوافِ کعبہ حاجی نہ شود مذہبی تعصب میں ڈوبا رہا۔ اس کی ایک علانیہ مثال مذکورۂ بالا دریدہ دہنی ہے جس سے اس کی ساری علمی قابلیت و مذہبی معلومات پر پانی پھر جاتا ہے۔ مترجم

کو ایک ایسی تاریخ سمجھا ہے جس سے ایک نیا دور شروع ہوتا ہے۔ کارنوالس نے دیگر دُوام ضوابط، کا تذکرہ سنا ہو گا لیکن وہ کبھی اس کے استعمال اور رہنمائی کے لیے طبع یا گشت نہیں کرائے گئے۔
کارنوالس کے مجموعۂ قوانین نے اختیارات کی خواہ وہ محکمۂ مال، پولیس، فوجداری ودیوانی عدالت یا دیگر معاملات کے متعلق ہوں بخوبی توضیح وحدبندی کر دی، دستور العمل قایم کر دیا، باضابطہ طریق مرافعہ کے ذریعے نا انصافی کی روک تھام کر دی اور ہندستان کی سیول سروس کی بنیاد اس طرح رکھی جیسی کہ وہ آج تک قایم ہے۔ یکے بعد دیگرے ہر حاصل شدہ ضلع یا مملکت میں قانون و انتظام جاری کرنے کی جتنی بھی کوششیں کی گئیں اُن سب کی بنیاد یہی مجموعۂ قوانین رہا ہے۔ اس بات کو تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ اس کی شرایط بعض صورتوں میں بھاری اور دقیق تھیں اور ایسی اقوام کے لیے مناسب نہ تھیں جو وسطی اور جنوبی بنگال کی آبادی سے زیادہ بہادر و جنگجو ہوں اور مقدمہ بازی و دھوکا دہی کی طرف کم مائل ہوں۔ اس کی بعض دفعات اور فقرات بلا تامل خارج کر دیے گئے جب کہ ٹھیٹ وحشی یا جنگجو قبائل کے لیے جدید سادے اور منصفانہ ضوابط موزوں سمجھے گئے۔ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ مجرمین کو مرافعے کی کی پُرخطر سہولتیں حاصل تھیں جو قوم کی عام فلاح و بہبود کے لیے عملاً مُضر ثابت ہوتی تھیں۔ لیکن کارنوالس کا مجموعۂ قوانین اُس ولولہ انگیز خواہش قلبی کا مظہر تھا کہ ہندوؤں اور مسلمانوں میں اتحاد قایم کیا جائے، اُن کے جذبات میں نرمی پیدا کی جائے، اُن کے مذہبی و معاشری تعصبات کو ٹھیس لگانے سے گریز کیا جائے اور ساتھ ہی ساتھ طوائف الملوکی، بدانتظامی اور عدالتی اختیارات کے بیجا و آزادانہ استعمال کی بجائے امن، باقاعدگی اور انتظام قایم کیا جائے۔ ان قوانین کی عبارت کے متعلق گاہ بہ گاہ اعتراضات کیے گئے ہیں اور اس میں شک نہیں کہ عبارتِ مذکور ماند پڑ جاتی ہے اگر اس کا مقابلہ اُن قوانینِ مابعد کی جامع صحیح اور شستہ زبان سے کیا جائے جن کے نفاذ کی تاریخ ۱۸۳۳ء ہے جب کہ حکومت ہند کے وضع قوانین کا کام میکالے اور کیمرن۔ جیسے اعلیٰ حکام یا خود ہمارے زمانے کے مین اور اسٹیفن نے انجام دیا۔ لیکن ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ حکومت ہند

کو ایک صدی قبل ایک ایسی قوم سے سابقہ پڑا تھا جس پر مطلق العنان اشخاص کی حکومت تھی اور جو کسی مقررہ یا معین قانونِ نظم ونسق سے ناواقف تھی۔ جدید قوانین کے نافذ کرنے والے عہدہ داروں کی تعلیم وتربیت نامکمل تھی۔ بہت سے کلکٹروں اور مجسٹریٹوں نے اپنا کام سیکھنا اُس وقت شروع کیا جب وہ حقیقتہً کام کرنے لگے اور انہیں اپنی غلطیوں اور لغزشوں کے علم کے ذریعے باقاعدگی اور خوش اسلوبی کی طرف جانا پڑا۔

یہ قوانین نتیجتہً محض اس امر کا اظہار نہیں کرتے تھے کہ آیندہ ملک کا قانونِ مالگزاری یا فوجداری کیا ہوگا۔ تمہیدات اور کہیں کہیں بعض دفعات میں جدید دستور العمل کے متعلق وجوہ اور تشریحات مندرج تھیں۔ بعض کی نوعیت بجائے قانون ہونے کے زیادہ تر منشائے حکومت کا اظہار کرنے والی یادداشت کی تھی۔ گورنر جنرل نے ماضی پر نظر ڈالی، اُن غلطیوں کو ظاہر کیا جو عمل میں پائی گئیں اور جو باشندگانِ ملک کی ضروریات سے پوری واقفیت نہ ہونے کے باعث پیدا ہوئیں اور پھر ان کا قانونی علاج کرنے کی جانب وہ متوجہ ہوا۔

دوامی بندوبست نے خود ایک اعلان کی شکل اختیار کی جو مجموعۂ قوانین میں ضابطۂ اوّل قرار پایا۔ ہندوؤں کو جن کی باشندگانِ ملک میں کثرت ہے، صریح طور پر مطلع کیا گیا ہے کہ چوں کہ زراعت، حال کی طرح ماضی میں بھی اس ملک کی دولت کا ایک اہم جزو رہی ہے اس لیے برطانوی حکومت کا مقصد یہ ہے کہ تجارت کو وسیع کرے، عدالتی دستور العمل کی اصلاح کرے اور طغیانی اور خشک سالی کے وقوع میں نہ آنے کا انتظام کرے۔

لارڈ کارنوالس نے اپنے مجموعۂ قوانینِ عدالت ومال کے علاوہ یہ قاعدہ بھی مقرر کیا کہ کلکٹروں کے سرکاری افعال کے خلاف ملک کی دیوانی عدالتوں میں کارروائی کی جاسکتی ہے اور یہ کہ حکومت پر بھی معمولی افراد کی طرح استحصالِ بیجا یا مالکانِ اراضی کے حقوق سے رُوگردانی کے متعلق نالش کی جاسکتی ہے اور ایسے مقدمات کی سماعت صرف وہی جج کرسکیں گے جو حکومت کے مالی مطالبات جاری کرنے میں بلاواسطہ یا ذاتی دلچسپی نہ رکھتے ہوں۔ گورنر جنرل نے عملاً

اس خیال کو رفع کر دیا تھا کہ کلکٹر ایک اعلیٰ مجسٹریٹ کا قایم مقام ہے جس کی بے ضابطگیاں معمولی عدالتوں کے اختیار سماعت کی حد سے خارج ہیں اور وہ صرف اس جماعت عاملہ کے آگے جواب دہ ہے جس کے تحت وہ خدمت انجام دیتا ہے۔ متعدد سیاسی و فوجی اہم معاملات بلاشبہ قانونی عدالتوں کے اختیارِ سماعت سے خارج رکھے گئے تھے لیکن ۱۷۹۳ء سے اُن تمام امور کے بارے میں جو ذاتی و غیر منقولہ جائداد سے متعلق ہوں حکومت نے ایک قانون کی زبان میں "ایسے حقوق و اختیارات سے بہ حیثیت عاملانہ انحراف کرنے کے اختیار سے خود کو محروم کر دیا تھا" جو اس نے بہ حیثیتِ جماعتِ قانون ساز مالکانِ اراضی کو عطا کیے ہوں۔

مختلف دیگر اہم مسائل نے بھی کارنوالس کی توجہ کو اپنی طرف جاری رکھا۔ ملک معظم کی افواج کے انگریز افسر یا طرفدارانِ شاہی جیسا کہ انہیں کہا جاتا تھا اور ہندوستانی پیادہ افواج کے عہدہ داروں کے مابین بہت رشک و حسد تھا۔ فرماں روائے انگلستان کا کسی وقت بھی اس خیال کو ترک کر دینا غیر اغلب معلوم ہوتا تھا کہ ایسے افسر جن کے پاس اس کا پروانۂ تقرر ہو ان اشخاص کے مقابلے میں برتری کے مستحق ہیں جن کے تقررات خود اس کی رعایا کی ایک تجارتی جماعت نے کیے ہوں۔ یہ اندازہ کیا گیا تھا کہ اس زمانے میں بنگال اور مدراس کی ساری یورپین اور ہندوستانی افواج کی تعداد ستر ہزار نفر سے زیادہ نہ تھی۔ ان میں سے صرف پانچ ہزار ملک معظم کی افواج میں تھے اور تقریباً اتنی ہی تعداد کمپنی کی یورپین یا انگریزی فوج کی تھی جو کمپنی نے انگلستان میں بھرتی کی تھی۔ مؤخرالذکر فوج "ناکارہ افراد کا ایک مجموعہ" تھی اور کارنوالس فوراً سمجھ گیا کہ اُسے معیارِ معیّن پر لانے اور قواعد داں و کارگزار بنانے کے لیے جو اوصاف کہ بعد کو اُسے حاصل ہوئے یہ ضروری ہے کہ نظماً کو علانیہ نئے سپاہیوں کی بھرتی کرنے کی اجازت دی جائے اور ان رنگروٹوں کو فوجی قانون کا پابند کیا جائے اور انہیں مشرق کو ان کی تاریخ روانگی تک ان کے

خاص افسروں کے زیر کمان رکھا جائے۔ ڈنڈاس نے زیادہ دُور بینی سے کام لیا اور اس نے شاہی فوج اور کمپنی کی فوج کو ضم کرکے ایک ہی فوج بنانے کے لیے فی الواقع ایک یادداشت تیار کی۔ کارنوالس نے یہ تسلیم کیا کہ اگر کمپنی کی فوج صرف انگریزوں پر مشتمل ہوتی تو انضمام ایک نہایت آسان امر ہوتا لیکن اس نے تقریباً اُن چار سو افسروں سے سروکار رکھنے میں بڑی دشواری دیکھی جو ہندوستانی رجمنٹوں میں ملازم تھے اور جو عام طور پر فوج کے بہترین افراد تھے اور سپاہیوں کی زبان، طور و طریق اور مذہبی رسم و رواج سے بخوبی واقف تھے۔ لہٰذا انضمام کا مسئلہ پون صدی کے لیے ملتوی کر دیا گیا۔ لیکن ایک تجویز جس کی بنا کارنوالس نے ڈالی تھی انجام کار نافذ کی گئی اور اس کی رُو سے کمپنی کے افسروں کو ہندوستان کی ملازمت کے دوران میں اپنے پروانۂ تقرر کی تاریخ کے بموجب شاہی رجمنٹوں کے برابر درجہ حاصل کرنے کی اجازت دی گئی۔ افسروں کی ان دو جماعتوں کا باہمی حسد فوجی خدمت گزاری کے احساس کے باعث اگرچہ حملے اور لڑائی کے وقت ہمیشہ ایک حد کے اندر پوشیدہ رہتا تھا تاہم زمانۂ امن میں وہ اکثر نمایاں ہو جایا کرتا تھا۔ لیکن کسی ایسی مثال کا پتہ چلانا آسان نہیں معلوم ہوتا جہاں اس قسم کی اجتماعی عداوت سے فوجی کارروائیوں میں کوئی خلل یا رکاوٹ پیدا ہوئی ہو۔ ہندوستان کی بعض عظیم ترین فتوحات کمپنی کے ایسے افسروں نے حاصل کی ہیں جن کے زیر کمان بادشاہ اور کمپنی کے سپاہیوں کی ایک متحدہ فوج تھی۔ باوجود عام نفع رسانی کا خیال رکھنے اور ہندوستانیوں کے جذبات کی کافی قدردانی کرنے کے کارنوالس اس ایک خطرے سے بالکل آگاہ تھا جس سے ہندوستان کسی زمانے میں بھی محفوظ نہیں رہا۔

وہ مجلس نظما سے کہتا ہے کہ "یہ عام طور پر تسلیم کیا جانا چاہیے کہ ایک بڑی اور عمدہ باقاعدہ یورپین فوج کے بغیر اس گراں بہا سلطنت پر ہمارا قبضہ نہایت غیر مستحکم رہے گا۔ یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ بہترین برتاو بھی ہمیشہ ایسی

بڑی جماعتِ باشندگان کی رضامندانہ اطاعت کا ضامن رہے گا جو ہم سے قانون، مذہب اور رسم ورواج کے تقریباً ہر معاملے میں مختلف ہے اور افراد کا ظلم، حکومت کی غلطیاں اور متعدد غیر متوقع اسباب بلاشبہ بغاوت کا رجحان پیدا کریں گے۔ ایسے مواقع پر ان کی اطاعت حاصل کرنے کے لیے ان کے ہم وطنوں پر جن سے ہندوستانی رجمنٹیں ترتیب دی گئی ہیں زیادہ بھروسا کرنا دانشمندانہ فعل نہ ہوگا۔" گورنر جنرل کا یہ آخری کلام نہ تھا لیکن اس کی نسبت کہہ سکتے ہیں کہ وہ مقدس بط[1] کا نغمہ تھا جس میں آواز اور نطق انسان کا ساتھا۔

---

[1] بط کی نسبت قصہ مشہور ہے کہ مرنے سے پہلے وہ گاتا تھا۔ یہاں مراد یہ ہے کہ مذکورہ بالا کلام کے بعد کارنوالس کے دور کا خاتمہ تھا۔

پانچواں باب

خانگی زندگی اور اجتماعی رسم و رواج

جہاں ہنری ڈنڈاس سے کارنوالس کے تعلقات ان کے باہمی اختلاف کے وقت بھی نہایت خوشگوار تھے اور ان دونوں کی مراسلت ہندوستان کے نظم و نسق کے متعدد اہم صیغوں پر ناصحانہ و مدبرانہ رایوں سے مملو نظر آتی ہے وہاں یہ بھی ظاہر ہے کہ سیول سروس کا معیارِ قابلیت بڑھانے کے متعلق کارنوالس کی مساعی میں اُن سفارشات سے جو انگلستان کے بعض اُمرا اپنے احباب و اقارب کی ترقی کے لیے کرتے رہتے تھے بہت کچھ رکاوٹیں پیدا ہوئیں۔ اس زمانے میں سیول سروس کے داخلے کے لیے کوئی خاص قواعد اور سخت قیود نہ تھیں بلکہ مختلف مواقع پر حکومت کا اعلیٰ عہدہ دار اپنے صوابدید سے ایسے امیدواروں کے تقررات کرنے میں کام لیتا تھا جو مجلس نظما کے فرستادہ نہیں ہوتے تھے یا جو بطورِ خود چل نکلتے تھے جیسا کہ روایتہً مشہور تھا۔ ایک مستقل مزاج اور انصاف پسند شخص کے ہاتھوں اس بات کا امکان نہ تھا کہ مدارج ملازمت کو نظر انداز کر کے اختیارِ انتخاب کا بیجا استعمال کرے گا۔ لیکن اُمرا اور دیگر

ملاقاتی کارنوالس کو یہ لکھنے میں ذرا بھی تامل نہ کرتے تھے کہ فلاں شخص کو کوئی منفعت بخش اور سہل خدمت دی جائے۔ ایک امیر کو تو کارنوالس نے یہ جواب دیا کہ میں نے کسی ایسے دوست کا حال جو شی ہو نہیں سنا ہے اس لیے جب تک وہ مجلس نظما کی جانب سے نہ بھیجا جائے اُسے ترقی دینا میرے اختیار میں نہیں ہے۔

اسی خط میں کارنوالس لکھتا ہے کہ تجارتی کوٹھی میں مسٹر بیچ کرافٹ کا تقرر کرنے سے مجھے خوشی ہوتی اگر اس کاروبار میں اس کی کامیابی کا امکان ہوتا لیکن جناب والا یہاں ہم عام طور پر خدمت کے لیے موزوں شخص کی تلاش میں رہتے ہیں اور کسی شخص کے لیے خدمت نہیں ڈھونڈتے۔ کسی دوسرے امیر نے ایک نوجوان شخص راس نامی سابق شاہی خدمت گار کی سفارش کی۔ وہ ایک آزاد تاجر بن کر باہر نکلا تھا۔ راس کا نام اس زمانے کے ملازمانِ کمپنی کی فہرست میں ملتا ہے۔ لیکن سب سے زیادہ نمایاں سعی اس سلسلے میں شہزادۂ ویلز (ولی عہد) نے کی تھی۔ اس کا ایک پروردہ ٹریوز نامی تھا جسے بنارس کی دیوانی عدالت میں ملازم ہونے کی آرزو تھی۔ اس خدمت پر اس وقت ایک سیاہ فام علی خاں نامی مامور تھا۔ اس شخص کا صحیح نام علی ابراہیم خاں تھا۔ یہ فی الحقیقت قابل آدمی تھا اور اس کی عام طور پر عزت کی جاتی تھی۔ کارنوالس نے شہزادۂ مذکور کو جواب میں یہ لکھا کہ اگرچہ کمپنی کے ملازمین کو دیوانی و فوجداری عدالتوں کے اعلیٰ عہدہ دار بنانے کا میں خواہش مند ہوں لیکن موجودہ عہدہ دار کو ہٹانا ایک دشوار اور غیر ہر دل عزیز امر ہوگا اور بالفرض علی خاں کل مر بھی جائے تو بھی یہ جگہ مسٹر ٹریوز کو دینی ممکن نہیں کیونکہ اس کی مدتِ ملازمت نیز نوعمری کو پیش نظر رکھتے ہوئے ایسی اہم اور ذمہ دارانہ خدمت پر اس کو مامور کرنا مناسب نہیں معلوم ہوتا۔

پھر ایک سال کے بعد شہزادۂ ویلز ولی عہد نے ایک نوجوان مسٹر واٹس کی سفارش کی۔ واٹس چاہتا تھا کہ کمپنی کی فوج میں جو عہدہ اُسے حاصل تھا اُس کے مساوی ایک عہدہ فوجِ باقاعدہ میں مل جائے۔ لیکن اُسے اخلاقی پیرائے میں یہ جواب دیا گیا کہ ایسا نہیں ہو سکتا۔ بعد ازاں واٹس نے مغربی ہند کی رجمنٹ میں ایک عہدہ حاصل کر لیا۔ اس قسم کی سفارشات کو گورنر جنرل نے ایک خط میں

جو اپنے بھائی یعنی بیچ فیلڈ کے اُسقف کے نام لکھا تھا وقبیح وغیر واجب امور بیان کیا ہے۔

کارنوالس کو دوسری مشکلات کا مقابلہ کر کے ان پر غلبہ حاصل کرنا پڑا۔ ایک موقع پر شہزادۂ ویلز (ولی عہد) نے معمولی طور پر ایک نوجوان آدمی کی جو کیڈٹ ہو کر جا رہا تھا سفارش کی کہ گورنر جنرل اس کے ساتھ ایسا معاشری لحاظ کرے جو اُس کے خیال میں مناسب ہو۔ لیکن دوسرے مسئلے میں مجلس نظما نے کارنوالس کی اعانت بالکل جائز طور پر کی۔ تنجور کے راجہ اور بنگال کے نواب جیسے حکمرانوں نے جن اشخاص کو انگلستان میں اپنی نمایندگی کرنے کے لیے متعین کیا تھا انہیں مجلس نظما نے نمایندے تسلیم کرنے کی نسبت سخت اعتراضات کیے۔ نظما کا فیصلہ یہ تھا کہ اُن والیان و سرداران ملک کی تمام مراسلت جو خود کو تکلیف زدہ خیال کرتے ہیں صرف حکومت ہند کے باقاعدہ توسط سے وصول ہونے پر قابل توجہ ہوگی اور یہ صحیح نظیر کسی اعلیٰ نظم و نسق میں بغیر خلل اندازی و دہشت آفرینی کے کبھی نظر انداز نہیں ہو سکی ہے۔ اسی اصول پر کاربند ہو کر کارنوالس نے نواب وزیر اودھ کے ایک تعریفی خط کو جس کے ساتھ اس نے شاہی معالج ڈاکٹر ولیس کے لیے پچیس ہزار روپیے بھیجے تھے انگلستان روانہ کرنے سے قطعاً انکار کر دیا۔

ایک بلند پایہ ہستی کو بطور تہنیت ایک سو ایک اشرفیوں کی جو نذر ایک کم رُتبہ شخص نے پیش کی تھی جس کے ساتھ ڈاکٹر ولس کے نام سات ہزار روپیوں کی ایک رقم بھی تھی اور شاہی محل کے پڑوس کے غُربا کے لیے جو مزید سات ہزار روپیے بنگال کے نواب نے ارسال کیے تھے ان سب چیزوں سے شائستگی کے ساتھ قطعی طور پر انکار کر دیا گیا۔ گورنر جنرل نے اُن خطوط کو جن کے ساتھ اس قسم کے تحائف تھے ملک معظم شاہ انگلستان کی خدمت میں بھیجنے پر اکتفا کیا۔

امیدواران ملازمت کی خاطر احباب نے جو تقاضے کیے ان پر کارنوالس کا غصہ لارڈ سڈنی کے نام ایک خط میں جس کا حوالہ دیا جا چکا ہے دلچسپ صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ وہ لکھتا ہے "میں سمجھتا ہوں کہ آپ سے میں نے ذکر کیا ہے۔ کہ لارڈ ایلسبری نے مسٹر رِٹسو کو بھیج کر مجھے کس قدر رنج پہنچایا۔ اب وہ

دفتر معتمدی میں محرّر ہے اور دو سو یا ڈھائی سو روپیے ماہوار پاتا ہے اور اس سے بہتر کوئی جگہ اُسے دینے کا امکان بجز اس صورت کے کہ مجھے اس کی جواب دہی کرنی پڑے میری نظر میں نہیں ہے۔ اب بھی ایسے لوگ روزانہ میرا پیچھا کرتے ہیں جو سفارشی خطوط کے ساتھ میرے پاس آیا کرتے ہیں اور یہ وہ لوگ ہیں جو قید خانے جاتے ہیں یا دوسرے ممالک کی نوآبادیوں میں فاقہ کشی کرتے ہیں۔ خدا کے واسطے آپ ان مجنونانہ حرکات کے روکنے کے لیے اپنی پوری قوت سے کام لیں"۔ محوّلِ بالا مسٹر رِٹسو دفتر معتمدی میں فی الحقیقت نقل نویس یا اس شخص کی حیثیت سے مامور تھا جسے محرّرِ صیغہ کہا جاتا تھا۔ زمانۂ مابعد میں اس طبقے کے لوگ عموماً یوریشین تھے اور انہیں تعداد الفاظ کے حساب سے نقد معاوضہ دیا جاتا تھا۔ ابتداءً شرح اُجرت سات سو پچاس الفاظ کے لیے ایک روپیہ تھی مگر کفایت شعار معتمدین نے کارگزاری کی مقدار چودہ سو الفاظ تک بڑھادی تھی۔

بدمعاملگی کی لعنت ملامت کے اس اظہار کے بعد یہ خوشگوار امر ہو گا کہ وارن ہیسٹنگز کے خطوط موسومۂ گورنر جنرل کی جانب رجوع کیا جائے میر اسلات مُرتبۂ راس میں سابق گورنر جنرل کے مواخذے سے متعلق بہت سے حوالے ہیں اور مرتب صریح طور پر بیان کرتا ہے کہ کارنوالس اپنے نامور مگر مظلوم پیشرو کی نسبت نہایت اعلیٰ رائے رکھتا تھا۔ اس زمانے کے سرکاری جرائد سے ظاہر ہوتا ہے کہ نوآبادی کی رائے جو مبصرانہ رائے کہلاتی تھی کامل طور پر ہیسٹنگز کی تائید میں تھی اور اس کی بریت کی خبر سنتے ہی شہر کلکتہ روشنی سے منوّر کیا گیا اور متعدد باشندوں نے جو ناظم ضلع (کلکتہ) کے منعقد کردہ جلسۂ عام میں جمع ہوئے تھے تہنیتی پیامات ارسال کیے۔ میکالے خوب باخبر تھا جب کہ اس نے یہ لکھا کہ ہر جہاز جو کلکتے سے روانہ ہوا اپنے ساتھ احباب و مدّاحانِ ہیسٹنگز کے خطوط کا ایک پلندہ انگلستان لایا۔ لیکن کارنوالس نے اس کے کیرکٹر کے متعلق شواہد کے مہیا ہونے میں کوئی عملی دلچسپی نہیں لی اور اس روش کا ذکر جس خط میں کیا گیا ہے وہ دونوں مدبّروں کے حق میں اس قدر پُرعظمت ہے کہ اُس کو یہاں نقل کرنا مناسب ہو گا۔ ۲۲ر اپریل ۱۷۹۰ء کو ہیسٹنگز حسبِ ذیل لکھتا ہے:

"آپ نے جو متعدد اور گراں قدر نوازشیں کی ہیں اُن سب کے لیے بہت شکر گزاری مجھ پر واجب ہے۔ آپ نے میرے قدیم متعلقین کے ساتھ نہایت نیکی کا سلوک کیا۔ میرے احباب کا خاص طور پر لحاظ رکھا اور جو شواہد میری تائید میں ثبت ہوے تھے ازراہِ کرم اُن کے پیش ہونے کی فیاضانہ طور پر اجازت دی اور انہیں مجلس نظما کی خدمت میں روانہ کرکے اُن کی صداقت کا ثبوت دیا۔ جناب والا آپ اس سے زیادہ توجہ ان تحریرات پر مبذول کرتے اگر مجھے آپ کی ذاتی نیک خیالی کی ضرورت ہوتی اور جیسا کہ چاہیے تھا میں آپ کی اس نیک نیتی کا شکر گزار ہوتا مگر مجھے افسوس ہوتا کہ آپ اس معاملے میں مغلوب ہو گئے۔ ایسی کارروائی کو سرکاری فرائض کی حدود سے متجاوز سمجھا جاتا اور اس سے بجائے خود مقصد فوت ہو جاتا اور اس بدگمانی کا موقع نکل آتا کہ شواہد حکومت کے اثر سے حاصل کیے گئے۔ آپ کی ذاتِ گرامی سے جہاں تک اس معاملے کا تعلق ہے اس کو ملحوظ رکھتے ہوئے میں آپ کی اس اعلیٰ فراست کی داد دیتا ہوں جس کی بدولت آپ نے ایک ایسا طرزِ عمل اختیار کیا جو ایک ستم رسیدہ شخص کی انصاف رسی میں اعانت کی خواہش پر مبنی تھا۔ صرف اس نظر سے کہ اس کا اثر میرے اوپر پڑتا تھا آپ نے جو کچھ کیا اُس کا میں شکر گزار ہوں اور اس کا بھی شکر گزار ہوں کہ جہاں آپ کو رُکنا چاہیے تھا آپ ٹھیک ٹھیک وہیں رُک گئے۔"

اسی سال (۱۸۰۰ء) جنوری میں کارنوالس نے لارڈ سڈنی کو لکھا تھا کہ "مقدمے کے حُسن و قبح سے قطع نظر مجھے اس کا بہت افسوس ہے کہ بیچارے ہیسٹنگز کے خلاف اس قدر شور مچا، اس شخص میں یقیناً بہت سی پسندیدہ صفات ہیں۔" اس سلسلے میں کارنوالس نے اپنی کے متعلق چند غیر توصیفی کلمات حوالۂ قلم کیے ہیں۔ اس روش سے اُن ناظرین کو تعجب ہو گا جو ہیسٹنگز کے بارے میں اپنے خیالات میکالے کی تحریرات کی بنا پر قایم کرتے ہیں جس کی نظر میں ہیسٹنگز کسی قدر سنگدل تھا حقیقت

حال یہ ہے کہ ہیسٹنگز باوجود اس کے کہ اُسے بعض کینہ پرور اعدا سے دوچار ہونا پڑا پائدار جذباتِ محبت کا انسان تھا اور متعدد مخلص و بلند حوصلہ احباب کا دائرہ رکھتا تھا۔ اس کی عادات و خصائل کو سر فٹز جیمس اسٹیفن اور سر الفریڈ لیئل نے حال میں بالکل مختلف طور سے ظاہر کیا ہے اور اس کا امکان ہے کہ وہ وقت قریب آجائے جبکہ موجودہ نسل کے لوگ اس خیال پر تاسف کریں کہ اُن کے آبا و اجداد غلطی اور بے دردی سے ہیسٹنگز کے دشمن بنے رہے۔

جلیل القدر عہدے پر رہنے کے باوجود کارنوالس اپنی خانگی زندگی میں سادگی اور یکسانی رکھتا تھا اور جب کبھی ممکن ہوتا ایوانِ حکومت کی متوقعہ مہمان داری اور رسم و رواج کو ملحوظ رکھتے ہوئے تکلفات سے گریز کرنے کا خواہشمند نظر آتا۔ مُرتّبِ مراسلات لکھتا ہے کہ ہندوستان میں جیسا اب بھی سال بھر بعض عہدہ داروں کا معمول ہے کارنوالس علے الصّباح اٹھتا تھا اور ایک تیز رفتار گھوڑے پر سوار ہو کر اپنے ہمراہی معتمد فوج اور سائیس کے ساتھ دور دراز مقام تک جایا کرتا تھا۔ کھانے میں وہ محتاط بلکہ کم خور تھا۔ بہترین طبی رائیں یہ ہیں کہ ہندوستان میں تندرستی انواع و اقسام کی غذا سے بہت ہی اچھی طرح قایم رہتی ہے بشرطیکہ مقدار میں زیادہ نہ ہو۔ سر جان کیئی نے بیان کیا ہے کہ ہندوستان میں مشکل سے شخصی طور پر کسی لباس یا غذا کی تخصیص ہوسکتی ہے۔ معتدل آب و ہوا کے ملک میں فی الواقع جو چیزیں غیر ضروری ہیں وہ ہندوستان میں زندگی اور آرام کے لیے قطعاً ضروری ہیں۔ اقل ترین درجے کا سیولین یا فوج کا ایک چھوٹا افسر لکھتا پڑھتا ہے کھاتا پیتا ہے اور بالعموم پنکھے کی ہوا میں نصف سال سے زائد مدت تک آرام کرتا ہے اور مساویانہ طور پر ویسرائے اور سپہ سالار اعظم کی طرح دن میں دو مرتبہ اپنے کپڑے بدلتا ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ دستور العمل اور ضابطۂ کار سال کے بیشتر حصّے کے لیے قدرت کے اٹل قوانین مقرر کرتے ہیں۔

عام قاعدے کے بموجب یہ قرار دیا جاسکتا ہے کہ ہندوستان میں اکثر اشخاص تقریباً ساڑھے دس یا گیارہ بجے سوتے ہیں اور انگلستان کی بہ نسبت یہاں صبح کو جلد تر اٹھتے ہیں اور ہندوستان میں بہت سے اہم امور مثلاً یادداشتیں،

فیصلے، رُوداد یں، بالادستوں اور زیردستوں کے ساتھ خط و کتابت، قید خانوں اور پولیس کے تھانوں کے معائنے چاشت سے قبل ہی ختم کر دیے جاتے ہیں۔

کارنوالس اپنے فرزند لارڈ برومؔ (رائیٹونین) کو لکھتا ہے کہ کلکتے میں میری زندگی بالکل باقاعدہ ہے چنانچہ میں روزانہ ٹھیک صبح صادق نمودار ہوتے ہی گھوڑے پر سوار ہوتا ہوں۔ ایک ہی سڑک پر اور ایک ہی فاصلے تک جاتا ہوں اور سواری سے واپس ہو کر ظہر تک کا سارا وقت سرکاری کام میں صرف کرتا ہوں اور تقریباً اتنا ہی وقت ہر روز کھانے میں لگ جاتا ہے۔ مغرب سے کچھ پہلے فِٹن گاڑی میں ہوا خوری کو جاتا ہوں۔ بعد ازاں دو گھنٹے تک خطوط یا سرکاری کاغذات لکھتا یا دیکھتا ہوں۔ نو بجے دو تین رشتہ دار عہدہ داروں کے ساتھ بیٹھ کر کچھ میوہ اور بسکٹ کھاتا ہوں اور ٹھیک دس بجتے ہی سو جاتا ہوں۔ میں نہیں سمجھتا کہ ایٹن کا بڑے سے بڑا احمق اس سے زیادہ غیر دلچسپ زندگی بسر کر سکتا ہے۔

ان احوال کی توضیح میں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ کلکتے میں شام کے کھانے کا معمولی وقت اس زمانے میں چار بجے کا تھا اور رات کا کھانا جس کا ذکر اوپر خط میں کیا گیا ہے ایک قسم کا زود ہضم طعام ہوتا تھا۔ مدت گزری کہ ان اوقات میں مناسب تبدیلی کر دی گئی اور اب ہندوستان میں ہر شخص شام کی سواری یا ہوا خوری کے بعد شب کے آٹھ بجے یا جلد سے جلد ساڑھے سات بجے کھانا کھا لیتا ہے۔

بہت سے لوگوں نے اب کم از کم گرما اور بارش میں صبح کی سواری ترک کر دی ہے۔ جاڑے کے خوشگوار موسم میں گھڑ دوڑ کا میدان، چھاؤنی، مال کی سڑک اور قواعد کا میدان یہ سب چہل پہل اور جوش و خروش سے معمور ہوتے ہیں۔ اس زمانے میں پہاڑی مقامات پر قبضہ ہوا تھا اور نہ ان کا حال معلوم تھا۔ بیماروں یا جفاکش عہدہ داروں کو ایک یا دو ہفتے دریائی ہوا خوری کی غرض سے مدراس، رنگون، سنگاپور یا گیلے لے جانے کے لیے کوئی جہاز نہیں تھے۔ لارڈ ولزلی نے عظیم الشان ایوانِ حکومت جہاں سے کلکتے کے اسپلینڈ پر نظر پڑتی ہے بعد میں بنایا تھا اور قرب و جوار میں بارک پور کے دیہی مکان کی مانند کوئی علیحدہ قیام گاہ نہیں تھی جہاں وبسرائے ہر اتوار ے، جمعے کو شرکتِ مجلس کے بعد جا کر

آیندہ دوشنبہ یا سہ شنبہ تک الگ رہ سکتا۔ لیکن جو طریقِ زندگی وارن ہیسٹنگز نے کارنوالس کے سامنے اختیار کیا تھا اور جس پر اس وقت سے متعدد جج، مشیرانِ مجلس، معتمدین و عہدہ دارانِ فوج عمل کرتے چلے آئے ہیں اُسی کی تقلید میں کارنوالس نے بھی اپنی بے لطف زندگی کو خوب دلچسپ بنا لیا۔ سر ولیم جونس مستشرق اعظم جو اس زمانے میں جج تھا اور جس سے گورنر جنرل نے قانون فوجداری میں تغیراتِ مجوزہ کی نسبت مشورہ لیا تھا کلکتے سے تین چار میل کے فاصلے پر گارڈن ریچ میں رہتا تھا اور اس کا ایک دیہی مکان بھی ضلع ندیا کے صدر مقام کرشن نگر میں تھا جو ساٹھ میل کی مسافت پر ہے اور جہاں کشتی یا پالکی کے ذریعے باسانی پہنچ سکتے ہیں۔ اس مکان کے کھنڈر چالیس سال قبل اُس زمین پر صاف نظر آتے تھے جو اب کرشن نگر کالج سے گھری ہوئی ہے۔ لارڈ ولزلی کی طرح جو اپنا سرکاری لباس زیبِ تن کیے یکشنبہ کو عام عبادت میں شریک ہوتا اور تمام سرکاری ملازمین کے نام حکم جاری کرتا تھا کہ اتوار کو گھڑ دوڑ موقوف رہے اگرچہ کارنوالس نے رسمی و نمایشی امور میں پیش قدمی نہیں کی تاہم اس نے عام اخلاق کی عمدہ مثال قایم کی۔

کارنوالس عام خاطرداری میں بھی بخل نہیں کرتا تھا۔ سنہ ۱۷۹۲ء میں وہ اپنے بھائی کو جو اُسقف تھا لکھتا ہے کہ میں ٹیپو کے خلاف جنگ و جدل میں بڑی حد تک مفلس ہو گیا ہوں۔ "میں نے یکم دسمبر سنہ ۱۷۹۱ء اور ۳۱ جولائی سنہ ۱۷۹۲ء کی درمیانی مدت میں رائج الوقت روپیے کے دو شلنگ کے حساب سے ستائیس ہزار تین سو ساٹھ پونڈ صرف کیے، اس کے علاوہ انگلستان سے شراب منگائی اور دو عربی گھوڑے بھی لیے جن کے عوض مجھے انگلستان کے شکاری گھوڑے دینے ہیں"۔ کلکتے کی سوسائٹی میں کارنوالس کے اطوار کی عام سادگی ایک خوب دل نشین روایت ہو گئی تھی اور اس کی طرف نہایت عمدگی سے ایچ، ایم پارکر مرحوم (سیول ملازم بنگال) نے مسٹر سمس سے متعلق جس کا فرضی نام ٹم ٹنکن واٹر تھا اور جو ایک بڑی تجارتی کوٹھی کا منشی تھا اپنے مرثیے کے بعض نفیس بندمیں حسب اشعار ذیل اشارہ کیا ہے:

سر سے پا تک وہ مجسم داستانِ عشق تھا — اس زمیں پر تھا مگر وہ آسمانِ عشق تھا
بھر دیا تھا جام میں اس نے ترانوں کا مزا — لرزش مئے میں انوکھی داستانوں کا مزا

ملاحظہ۔ بوٹس پوئیکس جلد اول و دوم مصنفہ ہنری میرڈتھ پارکر۔ مرثیہ متعلق بہ مسٹر سمس۔

ڈکسٹر[1] نے کیا بتاؤں ہمرہِ صہبا تا ک کر دیا تھا کس طرح جیبِ گریباں چاک چاک
کیف سے سرشار تھی روحِ زمین و آسماں کیا قیامت تھیں مرے نواب[2] کی سرمستیاں!
دشت میں سبزہ بچھا تھا سبز مخمل کی طرح گھومتا پھرتا تھا وہ گاڑی میں بادل کی طرح
نغمہ سنجی کا طریقہ مستیوں کا طور تھا
ہائے کیا پیارا زمانہ کس مزے کا دور تھا

مذکورۂ بالا روایت اس انسان کے سادے اطوار کو واضح طور پر بتاتی ہے۔ کارنوالس سوسائٹی کے صدر کی حیثیت سے جیسا کہ اس زمانے کے اخبارات کے مندرجِ ذیل اقتباسات شہادت دیتے ہیں عام تہواروں اور تعطیلوں میں بڑی بڑی دعوتیں کرتا تھا[3]۔

"رائٹ آنریبل گورنر جنرل کی دعوت کی بنا پر متعدد معزز اشخاص بہ تقریب نوروز قدیم کورٹ ہوس اسٹریٹ میں جمع ہوئے جہاں ایک شان دار ضیافت ترتیب دی گئی تھی۔ حسبِ معمول جام ہائے صحت کا جواب توپوں کی سلامی سے دیا گیا اور اپنی وفاداری و حب الوطن کے لحاظ سے یہ جام ہائے صحت اسی امتیاز کے سزاوار تھے۔ رات کو رقص کرنے والوں کی تعداد محدود نظر آئی مگر یہ نظارہ بالکل ایسا ہی پُر رونق اور دل کش تھا جیسا کہ بادشاہ کی سالگرہ کے اعزاز میں دعوت کے موقع پر ہوا کرتا ہے۔ لیڈی چیمبرس اور کرنیل پیرس نے اول ایک خاص قسم کا رقص کیا اور بعد ازاں دوسروں کا ناچ تقریباً ساڑھے گیارہ بجے تک جاری رہا جب کہ رات کے کھانے کی میزیں لگائی جا چکی تھیں جن پر نہایت ہی نفاست پسند عیش پرستوں کی حرص پوری ہونے کے تمام لوازم موجود تھے۔"

چوتھی جون بادشاہ کی سالگرہ کی تاریخ تھی مگر اس کا انعقاد کلکتے میں بہ زمانہ

---

[1] ۔ آخری صدی کے زمانۂ اختتام میں ڈکسٹر ایسے اصطبل کا داروغہ تھا جہاں گھوڑے کرائے پر چلانے کے لیے رکھے جاتے تھے۔

[2] ۔ نواب سے مراد لارڈ کارنوالس ہے۔

[3] ۔ منتخبات کلکتہ گزٹ از مصنف۔

مسز ولا ہوتا تھا۔ کرنیل پیرس توپ خانے کا ممتاز افسر تھا اور لیڈی چیمبرس صدر عدالت کے ایک جج سر رابرٹ چیمبرس کی بیوی تھی۔

معلوم ہوتا ہے کہ کارنوالس کو اندرونِ ملک زیادہ دورے کرنے کا وقت نہیں ملا یا اس نے ان کی ضرورت نہیں سمجھی۔ لارڈ ولزلی نے کشتی کے ذریعے، گنگا کے تمام صدر مقامات پر قیام کرتے ہوئے صوبجات شمال مغربی کے ایک تکلیف دہ سفر میں کئی مہینے صرف کیے۔ لیکن کارنوالس احاطۂ مدراس میں دو سال تک ٹیپو سلطان کے ساتھ نبرد آزمائی میں بہت مصروف رہا، اور اسے اپنی حکومت کے ابتدائی زمانے میں جو کام کرنا پڑا وہ بعینہ اس نوعیت کا تھا کہ اپنے رُفقا کے مشوروں اور یادداشتوں و تحریروں کے باہمی تبدل سے بہ حُسن و خوبی انجام پا سکتا تھا۔ جب تک اُس نے سیول سروس کی از سرِ نو اصلاح اور تنظیم نہ کی اور وہ اصول مقرر نہ کیے جن سے مالگزاری کی تشخیص و تحصیل میں حکومت کی رہنمائی ہوتی ہو اُس وقت تک فی الواقع کوئی محکمہ ایسا نہ تھا جس کے ذریعے سیول سروس کی جدید ترتیب یا مالگزاری کی نگرانی ہو سکتی تھی۔ مرشد آباد، پٹنے اور ڈھاکے کی اضلاع کا بذاتِ خود معائنہ کرنے سے کوئی ایسی چیز اُسے ہاتھ نہ آتی جو بجنسہ احاطۂ مدراس میں نہ مل سکتی تھی اور بجز ایک موقع کے اُسے سرحد اور بڑے بڑے تہذیب یافتہ شہروں میں ایسے دورے کرنے کی ضرورت نہ تھی جو اب وائسرایوں اور گورنروں کے فرائضِ منصبی میں شامل ہو چکے ہیں اور جن کے ذریعے حکومت کے کُل نظم و نسق کی تنقیح، آزمائش اور اصلاح کی جاتی ہے۔

یہ بتایا جا چکا ہے کہ گورنر جنرل، مجلس مال کا صدر ہونے کے علاوہ باعتبارِ عہدۂ صدر عدالت یا اعلیٰ ترین دیوانی و فوجداری عدالتِ مرافعہ کا رُکن بھی تھا۔ اس محکمۂ عدالت کے فیصلوں کی ایک قدیم رُوداد میں یہ صریح طور پر درج ہے کہ گورنر جنرل رُکن عدالت کی حیثیت سے موجود تھا لیکن گمان غالب ہے کہ اس نے کسی بحث و تمحیص میں کوئی عملی حصہ نہیں لیا اور محض ایک ہی موقع پر ضابطے کی خاطر شریک ہوا تھا۔ یہ بات زیادہ عجیب و غریب ہے کہ اُس کے خطوط میں جنگ یک یکی کے رواج کا ذکر نہیں ہے جس کا اُس

وقت ہندوستان میں عام طور پر موجود ہونا اُس زمانے کے سرکاری کاغذات اور اخبارات سے پایا جاتا ہے۔ شاید ایک فوجی افسر کو اس قسم کے واقعات سرسری امور معلوم ہوئے جو مروّج قانون اعزاز کے مطابق ضروری تھے لیکن کارنوالس ہندوستانیوں کی حالت اور ان کے ساتھ برتاؤ کا بہت خیال رکھتا تھا چنانچہ جب فوجی عدالت کے افسروں نے اپنے ایک ساتھی کو جس پر کسی غریب ہندوستانی کے ساتھ وحشیانہ برتاؤ کرنے کا الزام لگایا گیا تھا نہایت صریح وبین شہادت کے باوجود بری کر دیا تو گورنر جنرل نے ایک یادداشت میں ایسی ضرر رساں تحریر سے ان خطاکاروں پر لعنت ملامت کی جو ڈاہوزی یا کیننگ کے قلم ہی سے نکل سکتی تھی۔

کہیں کہیں سیر و شکار کی جانب بھی اشارے پائے جاتے ہیں۔ کلفورڈ میں تیتروں کا شکار خاصکر نومبر و دسمبر میں خوب ہوتا تھا، اور چونکہ پرندوں کے ہنکانے کا رواج اس زمانے میں معدوم تھا اس لیے یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ اور جگھوں کی بہ نسبت جو فی الوقت ہماری نظر میں ہیں زیادہ تر میدانوں میں جانوروں کا جو جھاڑیوں کے تلے پوشیدہ رہتے تھے شکار کیا جاتا تھا۔ لیکن کسی مشہور مراسلت میں بھی ہم شیر، ہرن یا بھینسے کے شکار کا خال نہیں پاتے حالانکہ اُن اضلاع میں جہاں اب درخت اور گھاس کے جنگل بالکل کاٹ دیے گئے ہیں اور جو دیہاتوں کی بے شمار تعداد رکھتے ہیں اور فی مربع میل پانچ سو نفوس کی آبادی پر مشتمل ہیں ہرن، جنگلی سور، چیتے اور شیر اس زمانے میں اکثر آیا کرتے تھے۔

کلکتے کی معاشری حالت کی نسبت بعض اور تفصیلات بھی مذکور ہیں ان سے ہندوستان میں ہمارے آبا و اجداد کی جو عادات اور طور و طریق رہے ہیں اُن کی توضیح ہوتی ہے نیز گورنر جنرل کے کیرکٹر اور رتبے کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔

کارنوالس اہم امور میں اس قدر زیادہ منہمک نہ تھا کہ وہ باشندگانِ کلکتہ کی تندرستی و آسائش کی تجاویز پر غور کرنے کے لیے وقت نہ نکال سکتا۔ اپنی آمد کے بعد ایک ہی سال کے اندر اس نے گورنر فورٹ ولیم[1] کی حیثیت سے ساکنانِ قلعہ

---

[1] یہ عہدہ اس منصب سے علٰحدہ تھا جو بہ حیثیت گورنر جنرل اُسے حاصل تھا۔

کو جلتے ہوئے فتیلوں اور مشعلوں کے استعمال سے رُوک دیا اور قلعے کی دیواروں اور تنگ راستوں پر موم بتی والی لالٹینوں کو کام میں لانے کی اجازت دی۔ اس نے کفری، فیلا اور ملایا لوگوں کے جتھوں کو چونکہ وہ بڑی بڑی بے ضابطگیوں کے مرتکب ہوئے تھے اور کلکتے اور اس کے اطراف و اکناف میں لوٹ مار کر چکے تھے یہ حکم دیا کہ وہ فلاں تاریخ سے پہلے جہاز میں سوار ہو کر کہیں دور نکل جائیں مبادا انہیں کوئی سخت سزا بھگتنی پڑے۔

کرنیل پیرس کے زیر نگرانی ڈم ڈم میں منجنیق کا استعمال کرنے تیز گولے کے ساتھ توپ چلانے کی جو مشق ہوتی تھی اُس کے دیکھنے کے لیے کارنوالس ضرور وقت نکال لیتا تھا۔ وہ نئے گرجا کی تقدیس میں شریک تھا جسے اب کنیسۂ قدیم اُس گرجا سے تمیز کرنے کے لیے کہا جاتا ہے جو پادری وِلسن کے حلقۂ اسقفی میں تعمیر ہوا ہے۔ ۱۷۸۸ء میں سرکاری کشتی میں گنگا پار جا کر اُس نے بنارس کا معائنہ کیا۔ اس سفر کی رفتار واجبی طور پر حیرت انگیز خیال کی جاتی ہے کیونکہ ایک مدبر نے یہ بیان محفوظ کر دیا ہے کہ دریائے مذکور کے مختلف مقامات کرشن نگر، بھاگل پور، پٹنے وغیرہ پر ٹھہرنے کے ایام شامل کر کے ایک مہینے میں کارنوالس بنارس پہنچا۔ اس سفر کا ایک نتیجہ یہ نکلا کہ اُس نے عام طور پر نہ صرف یورپینوں بلکہ دیوانی و فوجی ملازموں کو بھی بغیر سرکاری اجازت کے بکسر سے آگے بڑھنے کی ممانعت کر دی۔ دوسرے یہ ملال انگیز واقعہ بھی اُسے معلوم ہوا کہ فوج کے بہت سے چھوٹے چھوٹے عہدہ دار اسراف اور اوباشی کے باعث مقروض ہو گئے ہیں۔ اس صورتِ حال کی شکایت ایک معزز انگریز تاجر نے بھی کی جو کانپور میں مقیم تھا۔ اس تاجر نے مختلف رقوم بطورِ قرض عہدہ دارانِ مذکور کو دی تھیں اور ان کے واپس حاصل کرنے کا اُس کے پاس کوئی ذریعہ بجز اس کے نہ تھا کہ کلکتے کا تکلیف دہ سفر کر کے صدر عدالت میں چارہ جوئی کی جائے۔

فی الحقیقت لارڈ کلینڈ کے زمانے سے قبل تک اندرونِ ملک کے تمام انگریز عام دیوانی عدالتوں کے سامنے جواب دہ گردانے گئے تھے۔ اس وقت کارنوالس یہی کر سکتا تھا کہ مقروض عہدہ داروں کو تنبیہ کرے کہ اس قسم کے مقدمات

کی سماعت کا اختیار جو عدالت رکھتی ہے یا جسے اس کا مجاز کیا جائے وہاں انہیں بھیجنے کی وہ کارروائی کرے گا۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ بالعموم فوج کے عہدہ داروں کو مزید تنبیہ کی گئی کہ وہ ناظموں کے مقرر کردہ عہدہ داروں کو کسی مقام پر حتیٰ کہ صوبے کے دُور دراز اضلاع میں بھی ان کے فرائض کی انجام دہی سے نہ روکیں۔ بہرحال یہ شک وشبہ ہوسکتا ہے کہ ایسے عہدہ دار طلب نامے اور حکمِ گرفتاری کی تعمیل شمالی ہند یا مضافاتِ کلکتہ کے سوا کسی اور جگہ کرا سکتے تھے یا نہیں۔ علاوہ بریں ہمارے یہاں بہت سی ضیافتوں، رقص وسرود کی محفلوں، رات کی دعوتوں اور تفریحی جلسوں کی اطلاعیں موجود ہیں اور کلکتے کے عین وسط میں ایک ڈکیتی کے وقوع کے وقت جب کہ قزاق تقریباً چار ہزار روپیے لُوٹ لے گئے پولیس کے ہندوستانی اشخاص کی جو نااہلی ثابت ہوئی اس کے متعلق ایک نصیحت آمیز رائے زنی بھی ہمیں حاصل ہوگئی ہے۔

رسمِ غلامی کے خلاف گورنر جنرل باجلاس کونسل کے ایک اعلان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ بچوں کو بھگا لے جانے اور انہیں اندرونِ ملک بھیج دینے یا ممالکِ غیر کو روانہ کر دینے کا طریقہ یقیناً عام طور پر جاری تھا۔ ایک حکم کے ذریعے ہندوستان کے ہر حصے میں بلا اجازت بندوقوں، توپوں اور جنگی ذخیروں کی فروخت ونتقلی ممنوع ہوگئی۔ ایک اور حکم کی بنا پر ضلع ترہت میں ایک سرکاری اصطبل قائم ہوا اور اس کے داروغہ کے پاس مالکوں کو اپنی اپنی گھوڑیاں بھیجنے کی ترغیب دی گئی۔ اس اصطبل کا انتظام حال حال تک موجود تھا۔ کارنوالس اور اس کے جانشینوں کو جن مالی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا وہ ان اطلاعات سے واضح ہوتی ہیں کہ تمسکات پر جو تین یا چار مہینے کے لیے جاری ہوئے تھے بارہ فی صد سود مقرر تھا اور کوئی صورت ایسی نظر نہ آتی تھی کہ حکومت چھ فی صد سے کم سود پر روپیہ حاصل کر سکے۔ آٹھ اور دس فی صد تو معمولی شرح تھی۔ ایک وقت ٹیپو سلطان کے خلاف ۱۷۹۰ء کی مہم میں مجلس نظما نے مدراس کو پانچ لاکھ روپیوں کی نقد رقم بھیجنے کی ضرورت سمجھی تھی۔

یہ بات کسی قدر تعجب خیز ہے کہ جب کارنوالس اپنی اعلیٰ خدمت سے

سبک دوش ہوا تو اس موقع پر جلسۂ عام کے منعقد ہونے کا ذکر سرکاری کاغذات میں نہیں ہے۔ وہ ۱۵؍ اگست ۱۷۹۳ء کو ایوانِ حکومت سے رخصت ہوا، گارڈن ریچ میں اپنے جانشین سر جان شور کے ساتھ پورا دن صرف کیا اور دو مستولوں والی کشتی میں سوار ہوا جو کیڈگری سے کچھ فاصلے پر اُسے اپنے جہاز تک لے گئی۔ لیکن سابق میں اس مہم کے خاتمے پر جس کے ذریعے سرنگاپٹم فتح ہوا، نیز مدراس سے کارنوالس کی مراجعت کے وقت مسرت ہائے عظیم کے مناظر دکھائی دیے تھے، چنانچہ انگریزوں اور ہندوستانیوں نے اُسے وفادارانہ اڈریس پیش کیے تھے اور اخباروں میں نظمیں شایع ہوئی تھیں۔ جو عہدہ دار فورٹ ولیم میں مقیم تھے انھوں نے اُسے تھیٹر میں ایک شاندار رقص اور طعام شب میں مدعو کیا تھا۔ وقایع نگار کا بیان ہے کہ یہ تھیٹر بہت عمدگی سے آراستہ کیا گیا تھا جس میں آگسٹس اور ٹریجن کے آدھے آدھے مجسمے لگے ہوئے تھے اور مقدم الذکر (شہنشاہ آگسٹس) کے ساتھ روما کا عقاب اور علم بحال رکھے گئے تھے اور موخر الذکر شہنشاہ کے ساتھ ویسیا کے سرداروں کی اطاعت کا منظر دکھایا گیا تھا۔ کارنوالس کی واپسی کے ایک سال بعد بھی سالانہ ضیافت میں جو بہ تقریب یوم سینٹ انڈریوز ترتیب دی گئی تھی اس کا جام صحت بالکل اُسی گرم جوشی سے نوش کیا گیا جو اس قسم کی تقاریب کے مواقع پر اسکاٹ لینڈ کے باشندوں سے ظاہر ہوتی ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں ہو سکتا کہ جہاں چھ سال کے عہدِ حکومت میں کارنوالس نے کبھی فرنگی قوم کے پاس و لحاظ اور قدر و منزلت کو نظر انداز نہیں کیا وہاں ہندوستانیوں کے قلوب میں بھی اُن کے اعلیٰ ترین مفاد کی خاطر اپنے وقت کا ایک بڑا حصہ وقف کر کے جگہ پیدا کر لی۔ فوج کا سردار اعلیٰ اور سیول سروس کا عہدہ دار بالا یعنی گورنر جزل اور نائب السلطنت ہونے کی حیثیت سے جو سہولتیں اُسے حاصل تھیں اُن کی توقع موجودہ زمانے کے ویسرائے کے بارے میں رکھنا عبث ہے۔ کارنوالس نے برطانوی باشندگان کلکتہ کے اڈریس کا جو جواب دیا تھا اس کے ساتھ سرگزشت کے اِس حصے کو ختم کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ یہ اڈریس اُسے مجلسِ نظما کے توسط سے اُس کے ہندوستان چھوڑنے کے ڈیڑھ سال بعد بھیجا گیا تھا۔

۱۶ راپریل ۱۷۹۵ء کو کلکتے کے منعقد شدہ جلسے کے صدر نشین کو لکھتے ہوئے وہ کہتا ہے :

"میں آپ سے اس تکلیف دہی کی اجازت کا ملتجی ہوں کہ اڈریس پر جن اصحاب نے دستخط کیے ہیں اُنہیں آپ مطلع کردیں کہ حکومتِ بنگال میں میری سرکاری وخانگی روش کی نسبت عوام کی نہایت معزز جماعت نے جو عمدہ رائے ازراہِ لطف وکرم قایم کی ہے اُس سے میں اپنی عزّت اور تعریف اسی قدر محسوس کرتا ہوں جس قدر وہ اُن خوش گوار وپُرآمیز الفاظ میں پائی جاتی ہے جن کے ذریعے اُس رائے کا اظہار کیا گیا ہے۔

میں یہ استدعا بھی کرتا ہوں کہ آپ اور دوسرے تمام شُرکا اس بات کا یقین کریں کہ میں ہمیشہ زندگی بھر یاد رکھوں گا کہ اڈریس پر دستخط کرنے والوں میں سے متعدد اصحاب کی سرگرمی اور قابلیت کی بدولت میری حکومت کی نہایت اہم ومفید تجاویز میں جو کامیابی ہوئی اس کا میں بدرجۂ غایت ممنون ہوں اور میں اپنے کو خوش قسمت تصور کروں گا اگر کسی وقت یہ امر میرے امکان میں ہو کہ جو لوگ خاص طور پر میری قدردانی وشکرگزاری کے مستحق ہیں اُن سے بذات خود دل کر اپنا خلوص ظاہر کروں یا کلکتے کے برطانوی باشندوں کی عام خوش حالی کو کسی طرح ترقی دیتا رہوں "

یہ جواب بنگال پہنچنے کے کچھ ہی زمانے کے بعد کلکتے کے باشندے برک کی بازپرس سے وارن ہیسٹنگز کے بالآخر بری ہو جانے پر اُسے ایک تہنیتی اڈریس بھیج رہے تھے۔ مجلس نظما کی خدمت میں کارنوالس کا غالباً آخری مراسلہ مدراس سے ستمبر ۱۷۹۳ء میں لکھا گیا ہے۔ اس مراسلے میں وہ نظما سے کہتا ہے کہ انگلستان اور ہالینڈ کے خلاف فرانس کے اعلان جنگ پر اس نے پانڈیچری اور دوسری فرانسیسی نوآبادیوں کو مغلوب کرنے کی فوری تدابیر اختیار کیں جو کامیاب ثابت ہوئیں۔ اپنی روانگی کی عین ہل چل میں وہ سرجان شور کو جو اُس کا دستِ راست اور مشیر خاص رہ چکا تھا شکریے کا خط لکھنے کی فرصت پاتا ہے۔ ۱۰ راکتوبر ۱۷۹۳ء کو کارنوالس مدراس سے روانہ ہوا

اور ۳ر فروری ۱۷۹۴ء کو سوآلو پیکٹ (ٹار بے) میں لنگر انداز ہوا۔ اس نے عام فہم اصول پر بنگال کا طریق مالگزاری قایم کرکے ایک کارِ عظیم انجام دیا تھا۔ سیول سروس کی نوعیت اس نے بالکل بدل دی تھی۔ وہ کسی قدر آرام و سکون چاہتا تھا مگر اب بھی اس کے سامنے بہت سا کام تھا۔

چھٹا باب

بنارس کا دوامی بندوبست

صوبہ جات نشیبی میں بندوبست دوامی کے نفاذ کا ایک فوری نتیجہ یہ ہوا کہ اُسے صوبۂ بنارس تک وسعت دی گئی۔ یہ کام کارنوالس کے جانشین سرجان شور نے انجام دیا۔ لیکن خود کارنوالس نے اس صوبے کی حالت پر جو رائے قایم کی تھی وہ اس قدر اہم ہے کہ یہاں وہ درج ہونی چاہیے۔ سنہ ۱۷۸۶ء میں دو مختلف موقعوں پر لکھتے ہوئے وہ اپنے خیالات حسب ذیل ظاہر کرتا ہے:

"بنارس یقیناً اپنی موجودہ حالت میں انتہائی رشوت ستانی و بدانتظامی کا منظر بنا ہوا ہے۔ اسے دوسری زمینداریوں کی مانند مجلس مال کے تحت نہ رکھنے کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی بجز اس خیال کے کہ اس طرح گورنر جنرل کے کچھ اختیارات سلب ہو جائیں گے۔ وہاں کے زمینداروں اور باشندوں اور ملک کے لیے مجلس مال کی نگرانی کا طریقہ بہتر ہے اور یہ غالباً جلد نفاذ پذیر ہوگا۔ بنارس کے مخفی معاملات کی مجھے اس قدر واقفیت نہیں ہے کہ انھیں فی الوقت باریک بینی کے ساتھ تفصیل وار بیان کر سکوں۔ اگر کوئی غیر متوقع واقعات سدِّ راہ نہ ہوں تو میرا

ارادہ ہے کہ اس سال شمالی مقامات کا دورہ کرنے کی غرض سے جولائی کے آخر میں روانہ ہو جاؤں اور یہ امر میرے لیے بکار آمد ہو گا کہ پہلے ہی سال تمام ممکنہ معلومات حاصل کر لوں۔"

دوبارہ وہ لکھتا ہے:

"جیسا کہ میں نے بنارس کے سابق نظم کی نسبت برے خیالات ظاہر کیے تھے تحقیقات میں مجھے اس سے بدتر حال معلوم ہوا جو میرے وہم و گمان میں بھی نہ آسکتا تھا۔ رزیڈنٹ جسے باقاعدہ طور پر اگرچہ کوئی اختیار نہیں دیا گیا تاہم بلا روک ٹوک تقریباً مطلق العنانی کے ساتھ ملک پر حکومت کرتا ہے۔ کمپنی کے مقرر کردہ ایک ہزار روپیے ماہوار کے علاوہ اس کی بالائی یافت یقیناً سالانہ چار لاکھ سے کچھ ہی کم ہوتی ہے۔ مزید براں ملک کی تمام تجارت کا کامل اجارہ اور پروانے وغیرہ عطا کرنے کا اقتدار بھی اُسے حاصل ہے۔ یہ عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ ان تمام نفع رساں باتوں کے معاوضے میں بنارس کے رزیڈنٹ، گورنر جنرل کے احباب کے شکرگزار رہے ہیں۔ مجھے یہ تصور کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے کہ فلاں رزیڈنٹ نے اپنے پیش روؤں کی نسبت زیادہ روپیہ حاصل کیا ہے۔ عالم الغیب ہی جانتا ہے کہ اُس نے دوسروں کو کیا دیا مگر چوں کہ وہ راجہ اور اس کے ملازموں کے ساتھ خوشگوار تعلقات نہیں رکھتا ہے اور جدید تجاویز کی کامیابی کا امکان زیادہ تر جدید اشخاص سے متعلق ہوتا ہے اس لیے وہاں رزیڈنٹ کو علیحدہ کرنا میں نے بہتر سمجھا اگرچہ بہت سے اصحاب خواہشمند بلکہ متقاضی تھے کہ اس عہدے کو حاصل کر کے کمپنی کی ملازمت میں سرگرمی دکھائیں تاہم میرے لیے اپنے خیال کے مطابق جانشین کا حاصل کرنا آسان نہ تھا کیونکہ میں رزیڈنٹ کے اقتدار کو بالکل اچانک طور پر گھٹا دینے کی جرأت اس لیے نہیں کر سکتا تھا کہ کہیں ہماری مالگزاری کی آمدنی ہاتھ سے نہ نکل جائے اور چوں کہ راجہ بیوقوف ہے اُس کے ملازمین بدمعاش ہیں، ہندوستان کا ہر باشندہ (میرا راسخ عقیدہ ہے) راشی ہے اور کلکتے سے بنارس چھ سو میل کے فاصلے پر ہے اس لیے قدیم طریقے کو خواہ وہ جزوی طور پر ہی کیوں نہ ہو جاری رکھنے میں ضرور خطرہ درپیش ہے تاوقتیکہ

انتظام کسی قابل شخص کے ہاتھ میں نہ دیا جائے۔

"چونکہ بنارس کی خوش حالی سے میرا نہایت گہرا دلی تعلق ہے اور میرا یہ خیال ہے کہ ہندوستان کے دور دراز حصّوں میں اس صوبے کی خوش انتظامی سے بڑھ کر کوئی اور چیز ہمارے کیرکٹر کو بلند پایہ کرنے اور شہرت کو ترقی دینے میں معاون نہیں ہو سکتی اس لیے میں نے عزم بالجزم کر لیا کہ اس موقع پر بہت بڑا ایثار دکھایا جائے۔ پس میں نے محکمہ جات امور عامہ و مالگزاری کے معتمد مسٹر جوناتھن ڈنکن کا تقرر مذکورہ بالا عہدے پر کر دیا اگرچہ یہ تقرر اس کی مرضی کے بہت خلاف تھا۔ شاید آپ مسٹر ڈنکن کے کیرکٹر سے واقف نہیں ہیں۔ بنگال میں ہر ہندوستانی اور یورپین شخص اسے انتہائی وقعت کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور مسٹر شور کے بعد اس ملک میں دوسروں کے بالمقابل اس نے خاص طور پر مالگزاری کے معاملات میں نہایت قابلیت سے میرا ہاتھ بٹایا۔ مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ میرے پاس یہ باور کرنے کی معقول وجوہ ہیں کہ فی الوقت تقریباً تمام کلکٹر کسی رشتہ دار یا دوست کے نام سے تجارت میں بے انتہا مصروف ہیں اور کلکٹر نیز عدالت کے جج کی حیثیت سے اپنے اثرات کو کام میں لا کر کمپنی کے مفاد کے خطرناک دشمن اور اہل صنعت و حرفت کے حق میں قوی ترین ظالم بن گئے ہیں۔ مجھے توقع ہے کہ آپ زائد الاؤنس اور کمیشن جو ہم نے کلکٹروں کو دیا ہے مناسب تصور کریں گے کیونکہ بغیر اس کے یہ قطعاً ناممکن ہے کہ ایک دیانت دار آدمی کو متوسط درجے کی آسودہ حالی نصیب ہو سکے۔ اس فیاضانہ سلوک کے بعد مالگزاری کے ضوابط نیز تجارتی کاروبار کے خلاف احکام جنہیں آپ ملاحظہ کریں گے جاری کرنے میں مجھے کوئی اندیشہ نہیں ہے اور میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ سب سے پہلے خطاکار کو جو میری گرفت میں آسکے سزا دے کر مثال قایم کروں گا۔"

مارچ ۱۷۹۵ء میں صوبۂ بنارس کے لیے دوامی بندوبست کے قانون کا نفاذ سر جان شور نے منظور کیا۔ ۱۷۹۵ء کے قوانین و ضوابط سے یہ نتیجہ اخذ کرنے کی معقول وجہ موجود ہے کہ مذکورہ بالا قانون پر کافی غور اور بحث کی گئی اور زمینداروں کی قناعت، زراعت کی توسیع اور حکومت کے استحکام سے خوشگوار نتایج برآمد ہونے

کی امید بندھ گئی۔ درحقیقت اس زمانے کے ضوابط سے جو بنارس کے لیے موزوں سمجھے گئے تھے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ بنارس کی حالت اس صورتِ حال سے کسی قدر مختلف تھی جو فی الواقع جنوبی بنگال میں اور ایک حد تک بہار میں پائی جاتی تھی اور یہ ضوابط نئی وضع کے الفاظ، عنوانات اور فقرات سے مرکب ہیں اور ان کے ذریعے حقوق، مفاد اور رسم و رواج کے متعلق بعینہٖ ایسا انتظام کیا گیا ہے جیسا کہ ہندوستان کے دوآبے میں ہے۔ اگرچہ ایک اعلیٰ عہدہ دار جسے رزیڈنٹ کہا جاتا تھا ۱۷۸۱ء سے قبل ہی بنارس میں متعین ہو چکا تھا لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اُسے ۱۷۸۷ء تک بندوبست اور تحصیل مالگزاری میں کسی قسم کی مداخلت کرنے کی اجازت نہیں دی گئی تھی۔ مشہور چیت سنگھ کا بھتیجا راجہ مہیپ نارائن نائبوں کی اعانت سے صوبے پر حکمرانی کرتا تھا۔ موخرالذکر سال یعنی ۱۷۸۷ء میں اس عہدے کا کام رزیڈنٹ کے تفویض کر دیا گیا اور وہ سرکاری محاصل اُن کارپردازوں کے توسط سے وصول کرتا تھا جو عامل کہلاتے تھے۔ ان عاملوں کا درجہ صوبہ جات شمالی کے اُن اجارہ داروں کے مماثل تھا جو راجہ یا موروثی زمیندار نہیں ہوتے تھے۔ بندوبست ایک سال کے لیے ہوتا یا پانچ سال کے لیے انھیں کارپردازوں کے ذریعے کیا جاتا تھا قواعد مرتب کیے گئے کہ جہاں مالگزاری پیداوار کے ایک حصے سے عموماً از قسم جنس ادا کی جاتی ہے وہاں استادہ فصلوں کا تخمینہ لگایا جائے۔ تمام زائد ابواب اصل لگان کے ساتھ بیک وقت یکجا ادا کیے جائیں، قدیم و جدید وضع کے پیمائشی آلوں اور پرانے و نئے بیگوں میں تفریق کی جائے اور مختلف دیگر معاملات کی تحقیقات عمل میں لائی جائے جس کی غرض خرابیوں کی اصلاح، ظلم و تعدی کی روک تھام اور امن و خوشحالی کی ترقی ہو۔ ان قواعد کے ساتھ ہی ساتھ یہ انتظام کیا گیا کہ عامل مالگزاری کی وصول یابی میں زمینداروں سے مدد لیں اور یہاں اس عام لفظ کی تشریح پہلی مرتبہ ہماری مالگزاری کی اصطلاح میں اس طرح کرنی ضروری ہے کہ ہم اس کے معنی اُن اعلیٰ شخصیتوں کے مفہوم سے بالکل مختلف قرار دیں جن کے تعلقے پچاس دیہاتوں سے لے کر انگلستان کے ایک ضلع کی حدود اراضی پر منطبق ہو سکتے ہیں۔

بنارس اور صوبہ جات شمال مغربی کے مقامی زمیندار سے ایسے تعلقے یا دیہات کا حصہ دار مراد ہے جہاں ساری زمین کا قبضہ اور انتظام مشترک ہوتا ہے۔ محاصلِ دوسری تمام آمدنی تعلقہ کے ساتھ ایک جگہ پنچایتی مال کی طرح جمع کیے جاتے ہیں اور کل ضروری اخراجات کی منہائی کے بعد بچت مالکانِ جائداد میں ان کے آبائی حصوں کے مطابق تقسیم کی جاتی ہے۔ حقیقت میں بنگال اور بہار کے زمیندار کسی قدر غیر آئینی طور پر بڑی شخصیتیں اور صوبجات بالائی کے زمیندار مقابلتہً چھوٹی شخصیتیں کہی جاسکتی ہیں اور یہ کہنا بھی درست ہوگا کہ بنگال کا طاقتور زمیندار اودھ کے تعلقدار کے مماثل ہے۔

یہ بالکل بدیہی بات ہے کہ اس فرق کو اگرچہ پورے طور پر ظاہر نہیں کیا گیا تاہم اسے وہ حکام بخوبی سمجھتے اور تسلیم کرتے تھے جنہوں نے ۱۷۹۳ء کے آئین کے نمونے پر بنارس کے لیے دوامی بندوبست مرتب کیا تھا جس میں حسب ضرورت کچھ اضافہ بھی کیا گیا تھا جو نئے صوبے کی خاص ضروریات کے لحاظ سے موزوں تھا۔ یہ امر بھی قابلِ یقین معلوم ہوتا ہے کہ بنگال خاص میں جو مفصل تحقیقات ممکن خیال کی جاتی تھی اس سے زیادہ تفصیل اور ضابطے کے ساتھ بنارس کے دوامی بندوبست کے سلسلے میں دریافت عمل میں آئی چنانچہ تعلقداروں اور دیہی زمینداروں سے متعلق تشخیص مالگزاری کی تفصیلات حاصل کی گئیں، زمینیں جو ادائے مالگزاری سے مستثنیٰ تھیں وظیفے اور رعایتی بخشے ان سب کے رجسٹر تیار ہوئے، مقامی عہدہ داروں سے جنہیں قانون گو کہا جاتا تھا مشورے کیے گئے اور جدید قسم کے وثیقے جو پٹہ اور قبولیت کے نام سے مشہور تھے اور جنہیں بے اعتنائی کے ساتھ انگریزی زبان میں لیسز (پٹہ) اور کونٹرپار (قبولیت) کہا جاتا ہے ترتیب پاکر سرکاری حکم سے جاری ہوئے۔ پنج سالہ بندوبست کو دوامی بندوبست میں بآسانی تبدیل کرنے کے لیے انگریز رزیڈنٹ اور اس کے مددگاروں نے زمانہ سرما میں تمام صوبے کا باقاعدہ دورہ کیا۔ انہوں نے دیہات اور اس کے علاقہ جات و مضافات کی قوتِ اراضی دریافت کی، بعض دیہی زمینداروں کو ان کے حقوق واپس ملنے کا انتظام کیا اور بعض دوسروں کو جن کا قبضۂ اراضی ہمارے اس صوبے کے حاصل کرنے کی تاریخ یعنی جولائی ۱۷۷۵ء سے باقی نہ رہا تھا ہمیشہ کے لیے علٰحدہ کر دیا، جمع بندی کی نظر ثانی کی، زمینوں کے اُن حصوں سے جو اُفتادہ مگر قابلِ کاشت

پائے گئے مالگزاری کی متوسط و تدریجی ترقی کا بندوبست کیا، باربرداری کے موقوف شدہ محصول کے اعادے کو روکنے اور جدید قبضۂ اراضی معافی کے قیام کا سدباب کرنے کی تدابیر اختیار کیں، امن کی برقراری جرم کی سراغ رسانی و اطلاع دہی اور مال مسروق کی واپسی کے متعلق ضروری شرائط جاری کیں۔ مجموعی حیثیت سے انہوں نے مقامی تحقیقات احتیاط کے ساتھ کی جو ایک لحاظ سے حکومتِ کارنوالس کی سرسری کارروائیوں کی بہ نسبت یقیناً بہتر تھی مگر بریں ہمہ یہ تحقیقات اُس باقاعدہ دیہی بندوبست کے معیار سے بہت گری ہوئی تھی جس میں حقوق و اختیارات اور ذمہ داریوں کا تفصیل وار اندراج موجود تھا اور جو بلحاظ دیگر شمالی ہند میں تھا سن اور مدراس میں منرو کے مقلد عہدہ داروں کی مسلسل نسلوں کے لیے مایۂ ناز رہا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ مذکورہ تحقیقات بلا مزاحمت اور بغیر وقت صرف کرنے اور زحمت اٹھانے کے ختم نہ ہوئی۔ اس بات کا پتہ چلا کہ عامل اپنے یا اپنے عزیزوں کے نام سے ایسے باقی داروں کی ملکیت اراضی کے متعلق جن کی بقایا کلی یا جزوی طور پر ادا ہو گئی تھی دست آویزاتِ انتقال حاصل کرنے کے لیے اپنے عہدے اور معلومات سے اکثر فائدہ اٹھاتے تھے۔

مقامی تحقیقات سے اس امر کا بھی انکشاف ہوا کہ پٹّہ داروں یا ایک ہی گاؤں کے حصہ داروں میں اپنے اپنے حصّوں کے لیے اور مختلف خاندانوں میں جن کا دعویٰ مشترک دیہاتوں پر تھا باہم سخت نزاع برپا تھی۔ حسب قاعدہ ان دیہی زمینداروں کو جو دیہاتوں پر حقیقتًہ قبضہ رکھتے تھے یا جنہیں حصولِ صوبہ (۱۸۰۱ء) کے وقت سے کسی زمانہ مابعد میں قبضہ دار کہا جاتا تھا بندوبست میں دوبارہ شریک کر لیا گیا اور جہاں رزیڈنٹ اور اس کے مددگاروں کو واجب الادا مالگزاری مقرر کرنے کا اختیار حاصل تھا وہاں یہ اختیار صوبے کی دیوانی عدالتوں میں حق مالکانہ کی واپسی کے متعلق کسی دعوے کے دائر ہونے میں مانع نہ تھا۔ بہ الفاظ دیگر انگریز عہدہ دار مال ہر تعلقے یا دیہات کی رقم مالگزاری کا تعین کرتا تھا اور دو یا دو سے

۱؎ یہ قابل اعتراض طریقہ صوبجات بالائی میں "مہم فرضی" اور صوبجات نشیبی میں "بے نامی" کہلاتا ہے۔

زائد مدعیان مقابل میں کسی ایک سے اپنے سامنے قول و قرار لیتا تھا۔ بہ صورتِ مرافعہ مالگزاری کی رقم میں تبدیلی صرف رزیڈنٹ یا مجلس مال کر سکتی تھی۔
بندوبستِ بالا سے جو مدعی مطمئن نہ ہوتا وہ محکمۂ عدالت دیوانی میں از سرِ نو چارہ جوئی کے لیے رجوع ہو سکتا تھا اور اگر اسے وہاں کامیابی ہوتی تو وہ اپنے تعلقہ یا دیہات پر بحال کیا جاتا اور اسے سابق کی مقررہ رقم مالگزاری ادا کرنی پڑتی۔ اس رقم میں عدالت دیوانی کمی و بیشی کرنے کی مجاز نہ تھی۔ جو ضابطہ صوبے کے منشور اراضی سے موسوم ہے اس میں بعض پرگنوں کے متعلق چند مختلف شرائط شامل تھیں۔ ان شرائط میں بعض راجوں کی خدمات، دعاوی اور برتاؤ کا نیز ان کے حقیت دار کاشتکاروں کے حقوق، مقرر لگان ادا کرنے والے دیہات اور دوسرے ایسے امور کا تذکرہ موجود ہے جن کا تفصیلی بیان یہاں غیر ضروری ہے۔ اس زمانے میں صاف طور پر یہ کہا جاتا تھا کہ کل صوبے کے دو ثلث کا بندوبست زمینداروں کے ساتھ ہوا تھا، ایک ربع عاملوں کے ہاتھوں ہی میں چھوڑ دیا گیا تھا اور باقی بارھواں حصہ بہ اصطلاح مالگزاری امانی[1] تھا یعنی مالگزاری کا نہ تو ٹھیکہ دیا جاتا تھا اور نہ تعین ہوتا تھا بلکہ وہ سالانہ ایک عہدہ دار کے ذریعے مالگزاری ادا کرنے والے ہر شخص سے براہ راست وصول کی جاتی تھی۔ سال حال کے ضوابط کے الفاظ اور طرزِ عبارت سے یقیناً یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ حکامِ وقت قبضۂ اراضی کے جدید و گوناگوں حقوق کے وجود کو تسلیم کرنے لگے تھے۔ پٹہ دار یعنی دیہات کے صدر حصہ دار کو اجازت دی گئی کہ وہ ادائے مالگزاری کے لیے خود اپنے نام کے ساتھ عہد و پیمان کرے اور ان حصہ داروں کو جنہیں اس وقت ادنیٰ پٹہ دار کہا جاتا تھا خاندان کے صدر یا زراعت پیشہ برادری کے سرپنچ کے ساتھ شامل کر دیا گیا۔ لیکن ادنیٰ پٹہ داروں کو یہ اختیار حاصل تھا کہ وہ اپنے اپنے حصوں کی علیحدگی کے متعلق نیز ایک واضح و جداگانہ اقرار نامے میں اپنے نام درج کرانے کے لیے عدالت دیوانی میں مقدمات دائر کریں۔

---

[1]۔ امانی دیگر مقامات میں خام یا خاص تحصیل کے نام سے مشہور ہے۔ اس تحصیل کے کام کو کلکٹر سال کے آخر پر ختم کر کے کسی ذمہ دار شخص کے ساتھ کوئی بندوبست عمل میں لا سکتا تھا۔

دیہاتی فرقے اگر بنگال خاص میں کبھی تھے بھی تو ہماری حکومت کے آغاز ہی میں نابود ہو گئے تھے۔ لیکن بعض دیہات وقطعات ملک عجیب وغریب ذاتوں کے قبضے میں موجود تھے۔ ایک مقام پر باشندے کلیتہً مسلمان تھے۔ بعض دیہاتوں اور جُدا جُدا محلوں پر ماہی گیروں، جلاہوں یا ہندوؤں کے خالص زرعی فرقوں یعنی پوڑ، کیبارت، کوپالی اور تیور کا کامل قبضہ تھا۔ لیکن مشترک طور پر محاصل کی وصول یابی، ذمہ داریوں کے قیام اور فاضل رقم کی تقسیم کے متعلق باہمی قول وقرار جیسی شئے جنوبی بنگال میں مشکل نظر آتی تھی۔ بے شمار مثالیں ایسی ملتی ہیں کہ بنگال کی رعایا ظلم و جبر کا مقابلہ کرنے یا کسی خریدار کو بوقت نیلام یا بیع خانگی روکنے یا کسی پٹہ دینے والے کو قانونی حقوق کا زور دکھانے سے باز رکھنے کے لیے متحد ہو گئی۔ دیہات کے معمولی کارکن وکاریگر مثلاً چوکیدار، نجار اور لوہار بھی موجود تھے جو زرعی پیشوں کے لیے ضروری ہیں لیکن بنگال خاص میں بہ زمانہ حصول دیوانی یعنی ۱۷۶۵ء میں پٹہ داری اور دیہی بھائی چارہ کا جس پر زمینداری کی برادری عمل پیرا تھی اور جس میں مالگزاری "بھیج" کے نہج پر یعنی ایک خاص شرح سے مقرر ہوتی تھی کچھ نام ونشان نہ تھا۔

ملکیت زمین کے طریقوں کی ان تبدیلیوں کے باوجود متعدد دیگر معاملات میں ۱۷۹۳ء کی نظائر کی بہت پابندی کی گئی۔ محصول راہ داری، متفرق محصول اور چنگی وصول کرنے کی ممانعت کر دی گئی۔ اندرون ملک چنگی صرف بنارس، غازی پور، جون پور اور مرزا پور چار شہروں میں لی جانے لگی۔ انگریز کلکٹر کے فرائض کی خصوصیت کے ساتھ توضیح کی گئی۔ اس کا کام مالگزاری جمع کرنا تھا خواہ وہ تعلقداروں، زمینداروں اور پٹہ داروں سے وصول طلب ہو یا جاگیروں سے جو عاملوں کو ٹھیکے پر دی گئی ہوں یا جاگیرات امانی سے جن کے متعلق کوئی بندوبست نہیں کیا گیا تھا۔ کلکٹر کو جاگیرات امانی میں باضابطہ بندوبست قایم کرنے کی کوشش بھی کرنی ہوتی تھی۔ بنگال خاص میں کلکٹر کے ذمے جو اور کام تھے انھیں کے مماثل اس کے دوسرے فرائض یہ تھے کہ وظائف کی رقوم ادا کرے، کورٹ آف وارڈز سے متعلق جاگیرات کا انتظام کرے، جو جاگیرات دو یا دو سے

زائد حصوں پر منقسم ہو سکیں ان کی مالگزاری کا مناسب طور پر تعین کرے، محصولِ آبکاری جمع کرے اور ناجائز اراضی معافی کی ضبطی عمل میں لائے۔ کلکٹر کے تحت ہندوستانی تحصیلدار رکھے گئے اور دقیق قواعد مرتب کیے گئے تاکہ اُن کے ذریعے باقی داروں کے معاملے میں کارروائی کی جائے اور ایسے اشخاص کو انجام کار قید کی سزا دی جائے۔

جرمانہ عائد کرنے اور شدید صورتوں میں حق مالکانہ کو سوخت کرنے کا بھی انتظام کیا گیا۔ یہ امر قابل یادداشت ہے کہ مالگزاری کے کلکٹر کی کارروائیوں کے خلاف ضلع کی عدالت دیوانی میں، صوبے کی عدالت مرافعہ میں اور صدر عدالت میں مرافعہ دائر کرنے کا حق صریحاً باقی دار تعلقداروں اور زمینداروں تک محدود تھا۔ بنگال کی مانند بنارس میں اراضی کے متعلق تمام ذیلی حقوق و مفاد کی حفاظت کا مسئلہ ہمیشہ گورنر جنرل با جلاس کونسل کے زیر غور رہا اور یہ یقینی بات ہے کہ اس کا یہ منصوبہ بنارس میں جلد تر پایۂ تکمیل کو پہنچا مگر صوبجات نشیبی میں حالات نامساعد کے باعث اسے دیر میں پورا کیا گیا۔

ان حقوق کی حفاظت بنارس میں ایک واضح وجداگانہ قانون کے ذریعے کی گئی اور ایک نصفت شعار و ہمہ گیر ضابطہ موسوم بہ ضابطہ، ہفتم ۱۸۲۲ء جس پر آیندہ ایک سرسری نظر ڈالی جائے گی نافذ کیا گیا تاکہ زمین کے متعلق تمام جماعتوں کے حقوق و مفاد کی تحقیقات اور بندوبست کیا جائے اور اس قانون کے تحت زمینداروں، پٹہ داروں اور دیگر لوگوں کی کافی حفاظت کا سامان کیا گیا۔ اس بات کا بھی امکان ہے کہ اس ضمن میں باشندگانِ صوبۂ بنارس کی ثابت قدمی سے کلکٹروں اور بندوبست کے عہدہ داروں کے کام میں سہولت پیدا ہو گئی ہو۔ کاشتکار نسبتہً زیادہ آزاد تھے اور اپنے جائز مفاد کی حفاظت کے لیے زیادہ مستعدی سے متحد ہو جاتے تھے۔

سبب خواہ کچھ ہی ہو لیکن یہ امر مسلّم ہے کہ یہاں لگان، استحصال بالجبر اور عہد شکنی سے متعلق فسادات بہت کم واقع ہوئے اور ۱۷۹۵ء میں اس طرح دوامی بندوبست ہو جانے کے بعد بنارس میں ہمارے حکام کو زیادہ تردد کی کوئی

وجہ نہ تھی۔ کاشتکاران حقیت دار اور بالعموم رعایا کے حقوق کا بندوبست مابعد اعظم گڈھ میں جیمس تھامسن جیسے کلکٹروں کا کام تھا اور دوسری جگہ دیگر اشخاص نے رابرٹ برڈ کے قابل تعریف طریق مجوز کے مطابق اسے انجام دیا۔ یہ بندوبست جہاں تک صوبۂ بنارس کا تعلق تھا ۱۸۳۲ء اور ۱۸۴۲ء کے درمیان بتدریج تکمیل کو پہنچا۔ شمالی ہند کے دوآبے اور صوبجاتِ شمال مغربی کے دیگر اضلاع کے اس باضابطہ بندوبست کا بیان جس کی بدولت مذکورہ بالا دونوں صاحبوں کے نام تقریباً ڈھائی کروڑ ایشیائیوں کے گھریلو لفظ بن گئے ہیں اس کتاب کا کوئی موضوع نہیں ہے۔

ہر چند قانون سختی سے نافذ کیا گیا تھا کہ بنگال و بہار کے زمیندار پابندی کے ساتھ مالگزاری ادا کیا کریں اور باقی دار قانونی کارروائیوں کی زد میں آسکتے تھے، انہیں قید کی سزا دی جا سکتی تھی اور بالآخر ان کے حقوق سلب کر لیے جا سکتے تھے لیکن زمینداروں کا لگان جو تمام مالگزاری کی بنیاد ہے وصول ہونے کا کافی انتظام نہیں کیا گیا تھا۔ ۱۷۹۳ء میں ایک قانون وضع ہوا تھا جس میں اس قانونی دباؤ کی صراحت درج تھی جو زمیندار شکمی کاشتکاروں، زیردست تعلقداروں اور رعایا پر ڈال سکتے تھے لیکن اس غرض کے لیے قانون مذکور کے ناکافی ہونے کا جلد علم ہو گیا۔ لہذا ۱۷۹۹ء میں ایک اور ضابطہ نشانک وضع کیا گیا جو نصف صدی سے زائد مدت تک بقایا کی وصول یابی سے متعلق قانونِ خاص بنا رہا۔ اس قانون کی رُو سے ہر وہ کاشتکار باقی دار تصور کیا جاتا تھا جو اپنا لگان اُس روز تک جس کی صراحت اس کے تحریری اقرار نامے میں درج رہتی یا صراحت کی غیر موجودگی میں مقامی رواج کے مطابق منظور شدہ تاریخ تک ادا نہیں کرتا تھا۔ زمیندار کو فصل، پیداوار زمین نیز مویشی و دیگر شخصی جائداد قرق کرانے کا اقتدار دیا گیا تھا۔ ہل اور زراعت کے دوسرے آلے، مویشی جو فی الواقع ہل چلانے کے لیے سدھائے گئے ہوں، تخم ریزی کا اناج یہ سب قرقی اور نیلام سے مستثنی تھے اور یہی رعایت زمینوں مکانوں اور دوسری غیر منقولہ جائدادوں کے ساتھ ملحوظ رکھی گئی تھی۔ قرق شدہ جائداد کے نیلام

کے لیے پندرہ روز قبل اطلاع نامے کا جاری ہونا ضروری تھا۔

زمینداروں کو محکوم تعلقداروں، پٹہ داروں، کاشتکاروں یا اُن کے ضامنوں کی گرفتاری عمل میں لانے کا مزید اختیار دیا گیا تھا اور وہ اس کے بھی مجاز تھے کہ کاشتکاروں کو طلب نامے بھیجیں اور عندالضرورت اپنی خاص کچہری یا مقامی دفتر میں انہیں اس غرض سے حاضر ہونے کے لیے مجبور کریں کہ وہ اپنی بقایا کا تصفیہ کریں اور ادائے لگان میں تاخیر کی وجہ بتائیں یا اسی قسم کے کسی دوسرے معاملے کے متعلق جواب دہی کریں۔ اس انتظام پر بسا اوقات شدت کے ساتھ لعن طعن کی گئی اور یہ انتظام آخرالامر ۱۸۵۹ء میں ایک جامع و مانع آئین کے ذریعے موقوف کر دیا گیا جس سے زمینداروں میں بے اطمینانی پھیلی مگر کاشتکاروں کی فوری دل جمعی ہو گئی۔ ان نالشوں کے فیصلوں کو جو لگان کی وصول یابی کے لیے دائر کی جاتی تھیں نالشاتِ سرسری کہا جاتا تھا۔

دستور العمل میں سادگی و عجلت کو پیش نظر رکھا گیا تھا۔ سال کے بارہ مہینوں میں ایک سے زیادہ کی بقایا معاف نہیں ہو سکتی تھی اور اس نوعیت کے مقدمات کی سماعت کا اختیار دیوانی عدالتوں سے کلکٹروں کو اور کلکٹروں سے عدالتوں کو مختلف موقعوں پر منتقل کیا گیا جس کے باعث بہت پیچیدگی اور پریشانی پیدا ہوتی رہی۔ ایک سال سے زائد مدت کا واجب الادا لگان محض باقاعدہ نالش دیوانی کے ذریعے وصول کیا جا سکتا تھا۔ ۱۷۹۹ء کے اُس سارے قانون کی عبارت سے جو نہایت مکمل اور جامع خیال کیا گیا تھا ظاہر ہوتا ہے کہ انتظامِ جاگیرات کی بہت سی خرابیوں کا انکشاف پہلے ہی ہو چکا تھا۔

لیکن کسی طور پر یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ زمیندار اور اُن کے گماشتے ہمیشہ سخت گیر و بے رحم تھے یا یہ کہ کاشتکار ہر وقت مظلوم و معصوم نظر آتے تھے۔ بیسیوں مثالیں ایسی دی جا سکتی ہیں جن میں دونوں فریق خطاوار تھے۔ اگر کوئی زمیندار کمزور ہوتا اور کاروبار سے تغافل کرتا اور اس کے گماشتے بے پروا ہوتے تو کاشتکار بآسانی اُس زمیندار سے مقابلہ کرتے تھے۔ جب کسی نئے زمیندار کو خانگی خریداری یا سرکاری نیلام کے ذریعے کوئی جائداد ملتی تو اسے

لگان کی وصول یابی کے لیے چھ مہینے یا ایک سال درکار ہوتا تھا۔ اس کی حاصل کردہ جائداد کی حدود کافی طور پر واضح نہ ہوتی تھیں۔ اس کا رقبہ غیر معین ہوتا تھا۔ نقشے نہیں ہوتے تھے اور فرد لگان جس میں پٹہ داروں کے نام اور ان کے علاقے درج کیے جاتے تھے موجود ہی نہ ہوتی یا اگر پائی جاتی تو بہت سی ضروری تفصیلات سے اکثر معرّا ہوتی تھی۔ اکثر اوقات قطعی مایوسی کی حالت میں یا ایک بڑی جاگیر کا انتظام نہ ہو سکنے کے باعث زمیندار اس کے کسی حصے پر ایک شکمی زمینداری قایم کرتا یا اپنی کل یا نصف زمینداری کا پٹہ کسی خواہشمند و مستعد انگریز کو دے دیتا۔

بعض صورتوں میں نئے مالک یا پٹہ دار کو یہ ضرورت پیش آتی تھی کہ وہ باقی داروں کے خلاف لگاتار سرسری نالشیں دائر کرے، پولیس کی نگرانی میں اراضی کی پیمائش کرائے اور سب سے زیادہ مزاحم و مالدار کاشتکاروں میں سے تمثیل کے طور پر تین یا چار کا انتخاب کر کے ان پر باضابطہ دیوانی نالش کرے تاکہ پرگنے کے رواج کے مطابق مختلف قسم کی فصلوں اور زمینوں پر لگان کا تعیّن ہو سکے۔ آخر میں عموماً ثابت قدم زمیندار یا پٹہ دار ہی کو اپنے مقصد میں کامیابی ہوتی تھی۔ ڈگری حاصل کی جاتی تھی اور بہت کچھ تاخیر اور مرافعے کے بعد سر پنج یا مستقل کاشت کار حقیت دار کے خلاف وہ جاری کرائی جاتی تھی۔ جن کاشتکاروں میں استقلال نسبتہً کم ہوتا وہ مطیع ہو جاتے، مقامی دفتر پر حاضری دیتے اور خانگی تصفیہ کر لیتے تھے۔ پس جملہ قراین سے معلوم ہوتا ہے کہ اس طرح زمیندار کے وقت اور روپیے کے نقصان کی تلافی ہو جاتی تھی۔ زمیندار کو وہ شے مل جاتی تھی جسے اینگلو انڈین اصطلاح میں 'دخل' کہتے تھے یعنی ذرائع پر قابو، مالگزاری کے عمل درآمد کا علم، انتظام میں چابک دستی اور ڈگریوں کی تعمیل کرانے کا مصمم قصد رکھنے کے باعث دیہات میں اُسے مستقل حیثیت حاصل ہو جاتی تھی۔ پھر تو لگان پابندی سے وصول کیا جاتا تھا۔ کاشتکاروں کو کچہری پر حاضری کے لیے بہ زورِ قوت مجبور کیا جاتا تھا۔ اراضی کی بار بار پیمائش ہوتی تھی۔ سال تمام کے واجب الادا لگان کی وصول یابی کے لیے سرسری نالشوں کے

بعد یا ضابطہ بڑی بڑی نالشیں دائر کی جاتی تھیں تاکہ قدیم لگان کو بڑھا کر گرد و نواح کے معیار پر پہنچا دیا جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ عدالتوں کی تنظیم اور بیرونی دباؤ کے ذریعے عام طور پر ہر سمت اضافۂ لگان عمل میں آتا تھا۔ مشرقی بنگال کے ایک ضلع میں کاشتکاروں کو گماشتوں کی دی ہوئی چٹھیوں اور رسیدوں پر اس قدر بے اعتمادی تھی کہ وہ اکثر سرسری نالش کے دائر ہونے تک انتظار کیا کرتے اور اس کے بعد فوراً عدالت میں رقم ادا کر دیتے تھے۔

بعض موقعوں پر یہ امر بالکل آسان تھا کہ خود سر زمیندار اور مقابل فریق یا مزاحم کاشتکاروں میں کون قابل الزام قرار دیا جائے۔ کامل یقین کے ساتھ جو کچھ کہا جا سکتا ہے وہ یہ ہے کہ کبھی کسی رعیت نے[1] اصولاً ادائے لگان پر کوئی اعتراض نہیں کیا، تمام کاشتکار جائز و ناجائز اغراض کے لیے یکساں طور پر متحد تھے اور یہ کہ آخر میں حکومت کا یہ فرض ہو گیا کہ ان کو برائیوں سے بچانے کے لیے مداخلت کرے اور انجام کار اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ۱۸۵۹ء کے مشہور قانونِ دہم کا نفاذ ہوا۔ اس اثناء میں لگان کی جلد وصول یابی کے متعلق آئینی انتظامات میں ترمیم کی گئی۔ ۱۸۱۲ء کے ضابطۂ پنجم کی تمہید سے جو لارڈ منٹو کے عہد حکومت میں نافذ ہوا زمینداروں کا کسی قدر موردِ الزام ہونا مترشح ہے۔ دانستہ کہا جاتا تھا کہ یہ باور کرنے کی وجوہ تھیں کہ زمینداروں کی جماعت نے اپنے اختیارات کا بیجا استعمال کیا تھا اور اپنے کاشتکاروں کی جائداد کے نیلام اور قرقی کے بارے میں وہ ظالمانہ افعال کی مرتکب ہوئی تھی۔ یہ قرینِ مصلحت تھا کہ قانونِ قرقی کی ترمیم عمل میں آئے اور پٹوں کی منظوری کے قواعد اور ان ضوابط کی نظرِ ثانی کی جائے جن کی بنا پر نیلامی خریدار لگان وصول کرتے تھے نیز باقی دار زمینداروں اور کسانوں کو بارہ فی صد سود کے بھاری تاوان سے نجات دلائی جائے۔ لہذا یہ قاعدہ بنایا گیا کہ زمینداروں کو لازم ہے کہ اپنے کاشتکاروں

---

[1] ۔ ایک استثنا مشرقی بنگال کے مسلمانوں کے فرقۂ رافضی کی ہو سکتی ہے جس نے بعض اوقات یہ نظریہ پیش کیا ہے کہ ہندو یا مشرک لگان کے بالکل مستحق نہیں ہیں۔

کے پاس ایک تحریری مطالبہ روانہ کریں جس میں بقایا کی ٹھیک رقم کا تعین کیا گیا ہو اور یہ اطلاع نامہ کاشتکار کے ہاتھ میں دیا جائے یا اس کی معمولی جائے سکونت پر چسپاں کیا جائے اور کاشتکار کو اگر وہ مطالبے کے جواز پر معترض ہو تا تسلّی یا تلافی کے طور پر یہ موقع دیا گیا کہ پانچ روز کے اندر کوئی درخواست پیش کر کے قرقی ملتوی کرادے اور اقرار کرے کہ آئندہ دو ہفتوں میں نگرانی و قرقی کی جواب دہی کے لیے دیوانی نالش دائر کرے گا۔ لیکن یہ قاعدہ کسی قدر زحمت سے مملو اور عملاً غیر موثر تھا۔ باقی دار کاشت کار کو کمشنر، جج، کلکٹر یا قاضی پرگنہ کے سامنے ضمانت کے ساتھ ایک تمسک دینا پڑتا تھا کہ جلد وہ اپنی نالش دائر کرے گا۔ اس زمانے میں دیوانی نالش بہت تکلیف دہ ہوتی تھی، اس میں وقت بہت صرف ہوتا تھا اور مصارف بھی بہت ہوتے تھے۔

اگر معیّن وقت کے اندر نالش دائر نہ کی جاتی تو اُس باقی دار کی ذات و جائداد پر جس نے اپنی نالش کے متعلق ضمانت دی تھی ضبطی کی تجدید ہوتی اور بدقسمت ضامن کی جائداد بھی بقایائے لگان کے عوض قرق ہو جاتی جبکہ کوئی نالش پیش ہی نہ ہوتی۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ اس قانون میں پہلی مرتبہ یہ شک پیدا ہوا کہ کوئی باضابطہ معیار لگان جو شرح پرگنہ کہلاتا ہو موجود بھی ہے یا نہیں۔ ایسی شرح کا جب پتہ نہ چلا تو تشخیص لگان اور تحصیل وصول اُس شرح کے موافق کی جانے لگی جو مضافات میں اس قسم کی زمینوں کے لیے واجب الادا تھی۔ ایک اور اہم دفعہ یہ تھی کہ اضافہ شدہ شرح لگان لگائی جاسکتی تھی اور نہ عدالت کے ذریعے دلائی جاسکتی تھی تاوقتیکہ کاشت کار کو جیٹھ کے مہینے میں اضافے کا باضابطہ اطلاع نامہ نہ بھیجا جاتا۔ یہ زمانہ مئی کے آخر نصف اور جون کے اوائل سے مطابقت رکھتا ہے اور ہمیشہ کاشت کے سال اول و دوم کی درمیانی کڑی تصور کیا جاتا ہے۔ زرعی کاروبار جو مئی میں ملتوی یا مدّھم ہو جاتے ہیں موسمی بارش کے آغاز کے بعد پھر شروع کیے جاتے ہیں اور یہی حال بنگال میں جون کے دوسرے ہفتے میں اور بہار میں اس مہینے کے اختتام پر یا جولائی کی ابتدا کے وقت نظر آتا ہے۔

مذکورِ بالا قانون کے وضع کرنے والوں کی نیک نیتی کے متعلق کوئی شبہ نہیں ہو سکتا۔ زمیندار اور کاشت کار کی نسبت ہر ضابطے میں سرسری فیصلوں کے صریح ظلم کے خلاف چارہ جوئی کے لیے ہمیشہ یہ انتظام رکھا گیا کہ غیر مطمئن فریق عدالت دیوانی میں رجوع ہو سکتے تھے لیکن جیسا کہ قبل ازیں ذکر کیا جا چکا ہے ایسی عدالتوں کی رفتارِ کار اس زمانے میں دھیمی اور گراں ہوتی تھی۔ عدالتوں میں کاشت کاروں کی بہ نسبت زمیندار زیادہ چارہ جوئی کرتے تھے اور اگرچہ کاشت کاروں کو کلکٹر یا سیول جج کے سامنے سرسری نالش کا سہل طریقہ سمجھایا جاتا تھا اور وہ مشاورت و محافظت کے لیے مجسٹریٹ سے درخواست کرنے میں پیچھے نہ ہٹتے تھے تاہم جائز طور پر یہ سوال ہو سکتا ہے کہ آیا اُن کی فریادوں کے متعلق کارنوالس کے عہدِ حکومت کے تقریباً ساٹھ سال بعد تک بھی کوئی حقیقی دادرسی کی گئی۔

۱۸۵۹ء میں مجلس وضع قوانین نے جسے لارڈ ڈلہوزی نے ۱۸۵۴ء میں قایم کیا تھا ایک قانون نافذ کیا جو "منشورِ اعظم برائے رعیت" کے نام سے موسوم ہوا۔

ساتواں باب

مدراس۔ قوانین بیع ضبطیاں

صوبۂ بنارس میں بندوبست دوامی کے نفاذ کے متعلق اس زمانے کی سرکاری و قانونی مراسلت سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ایک طرح پر بطور امر طبعی کے وقوع میں آگیا۔ لیکن مجلس نظما جو بنگال کے سابق مالی و عدالتی ضوابط کی معقولیت اور مناسبت سے آگاہ تھی اس خیال کی طرف مائل ہوگئی کہ بندوبست مذکور احاطۂ مدراس میں بھی نافذ کیا جائے۔ چنانچہ اس ضمن میں بہت طویل مراسلت پیش آئی۔ حکومتِ مدراس و بمبئی دونوں کو کارنوالس نے جملہ کاغذات متعلق بندوبست بنگال و تاسیس عدالت ہائے جدید ارسال کر دیے تھے۔ مدراس کے محکمۂ مالگزاری نے بعض ایسے علاقوں کے وسائل کی مکمل تحقیقات کا اہتمام کیا جو اس وقت یا تقریباً ۹۸-۱۷۹۹ء میں اضلاع بارہ محل، ڈِنڈی گل، کویمبتور و کنارا[1] پر مشتمل تھے۔ بہت زیادہ احتیاط پیش نظر رکھنے کی تاکید کی گئی تھی اور مختلف کلکٹروں سے کاشتکارانِ شکمی اور دیگر مالکانِ اراضی کے حقوق کی نسبت معلومات بہم پہنچائی

---

[1] - یہ ضلع بعد میں بمبئی سے ملحق ہوگیا۔

گئی تھی۔ بالآخر ایک مبسوط روداد وطن (انگلستان) روانہ کی گئی اور تقریباً ۱۸۰۰ء میں ایک خاص کمیشن مقرر ہوا تاکہ احاطۂ مدراس کے اُن علاقوں کی مالگزاری کا دوامی طور پر تصفیہ ہوجائے جن کے لیے معلومات کا کافی ذخیرہ جمع ہوچکا تھا۔

دو سال کے اندر دوامی بندوبست، شمالی سرکار میں نافذ کر دیا گیا اور ۱۸۰۶ء تک ذیل کے علاقے بھی اسی اصول پر منضبط ہو گئے:

نواب ارکاٹ کی عطا کردہ جاگیر[1] جو صدر احاطہ کے گرد اگرد واقع ہے اور اب چنگل پٹ کہلاتی ہے۔

مقبوضات مابعد جن میں اضلاع سالم، متعدد قطعات اراضی موسوم بہ "پولیم" (جن پر طاقت ور و سرکش سرداروں کا قبضہ تھا جو "پولیگر" کے نام سے مشہور تھے) رام ناڈ، کرشن گری اور بعض دیگر غیر اہم علاقے شامل تھے۔

لیکن عین اسی زمانے میں دوسرے خیالات پھیلنے لگے۔ بعض مقامات پر مقرر محاصل زیادہ آسانی سے وصول ہو گئے تھے مگر جاگیر مذکور میں جو ایک کلکٹری بنا دی گئی تھی مالگزاری پابندی کے ساتھ ادا نہ ہوئی تھی۔ بعض جائدادیں بقایا کی بنا پر فروخت کر دی گئی تھیں اور بعض بحالت مجبوری حکومت نے اپنے قبضے میں لے لی تھیں۔ مالگزاری ادا نہ ہونے کی وجہ ایک حد تک فصل کی تباہی تھی مگر اصلیت یہ تھی کہ کاشتکاروں کی شرح لگان کا اندازہ لگانے اور زمینداروں کی مالگزاری کا تعین کرنے میں سخت غلطیاں کی گئی تھیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بندوبست دوامی کے حامیوں کا ایک زبردست مخالف تھامس منرو پیدا ہو گیا۔ اس نے واضح طور پر یہ بتایا کہ مالکانِ اراضی کے ساتھ فرداً فرداً بندوبست کا عمل میں آنا گو بظاہر پیچیدہ اور دقت طلب امر ہے تاہم ہندوستانی حکومتیں اُس سے خوب واقف ہو چکی ہیں، پٹیل یا سرپنچ اپنے اپنے دیہاتوں کے بندوبست میں خاطر خواہ اعانت کر سکتے ہیں، موروثی ملازمانِ مال کا ایک مکمل عملہ پہلے ہی سے موجود ہے، رعیت کا یہ دستور رہا ہے کہ ایک مقام پر جمع ہوتی ہے اور زرعی لوازم، کاشت کاری اور ادائے لگان کے متعلق بحث و مباحثہ

---

[1] یہ جاگیر ۱۷۵۰ء و ۱۷۶۳ء میں حاصل کی گئی۔

کرتی ہے اور اگر ایک مستعد کلکٹر اپنے ضلع کا دورہ ابتدائی فصل کے کٹنے سے لے کر اخیر تخم ریزی کے زمانے تک کرتا رہے تو وہ بخوبی ان گوناگوں کارروائیوں کو اس نتیجہ خیز اسلوب سے انجام دے سکتا ہے کہ حکومت کو مالی منافع اور رعیت کو معاشری فوائد حاصل ہوں۔ چنانچہ اس بارے میں حسب معمول بہت کچھ مراسلت ہوئی اور اعداد و شمار، رُودادیں، یادداشتیں اور قراردادیں فراہم کی گئیں۔ آخرکار بندوبست دوامی مستحکم ہوگیا۔ احاطۂ مدراس میں صرف ایک ہی مقام پر بنگال کے قانون کا نفاذ ہوا تھا اور مليبار، کنارا، کویم بتور، اضلاع مفوضہ، نیلور، ارکاٹ نیز زرخیز قطعات ملک جو تنجور، ترچناپلی اور تینیولی پر مشتمل ہیں یہ تقریباً سب کے سب نظرانداز ہوگئے تھے۔

یہاں یہ ایک بے محل بات ہوگی کہ ان مختلف قوانین مالگزاری کے محاسن و معائب پر تفصیلی بحث کی جائے جو مختلف صوبہ جات ہند میں رائج ہیں لیکن سرکاری ابواب کی وصول یابی کے گوناگوں طریقے نافذ کرنا اور مالگزاری کے ذمہ دار اشخاص کو مختلف طبقوں سے منتخب کرنا ہماری حکومت کا ایک لازمی جزو ہے اور اس سے تجربات کا ایک بڑا ذخیرہ مہیا ہونے میں مدد ملتی ہے۔ بنگال میں جو غلطی کی گئی وہ یہ تھی کہ بہ وجوہ چند در چند ایک ایسے جدید اور مکمل قانون کے ضروری حصے کو جس سے زمینداروں کی ایک مستقل جماعت قایم ہوگئی تھی نصف صدی سے زائد مدت تک بروئے عمل نہیں لایا گیا۔ مدراس کے بیشتر حصے میں بندوبست، رعیت واری ہے اور ان صورتوں میں جہاں زمیندار اپنی جائدادوں سے علیحدہ ہوئے اور حکومت قابض ہوئی طریق رعیت داری نافذ کیا گیا لیکن کبھی اس کے برعکس کارروائی نہیں ہوئی۔ کوئی ضلع یا اس کا کوئی حصہ جو طریق رعیت واری میں داخل ہوا پھر کسی وقت زمینداروں کو واپس نہیں دیا گیا۔

کارنوالس کے طریق زمینداری کی بنا پر جو مختلف و باہم شکمی زمینداریاں قائم ہوئیں وہ کسی قدر توجہ کی طالب ہیں۔ اگرچہ تجارت، سوداگری، زراعت اور آبادی کے بارے میں قابل وثوق اعداد صرف گذشتہ چند ہی سال کے جمع کیے گئے ہیں تاہم بعض بدیہی امور جنوبی بنگال کے متعلق عموماً اور مشرقی و وسطی بنگال

کے متعلق خصوصاً ایسے ہیں جو مشہور و معروف ہونے کے باعث کسی قسم کی بحث کے محتاج نہیں۔ یہاں کی دریائی زمین بیحد زرخیز ہے، لگان کم لیا جاتا ہے اور چند سال تک جیسا کہ بتایا جا چکا ہے زمینداروں کو اپنے مواضع یا املاک کے حصص دوامی پٹوں پر دینے سے رُوکا گیا تھا لیکن یہ جلد واضح ہو گیا کہ حکومت کاشتکاروں کے فائدے اور اپنے خزانے کی حفاظت کے لیے خواہ کیسے ہی قوانین وضع کرے زمیندار ان صریح حقوق کو دیگر اشخاص پر منتقل کرنے سے باز نہیں رکھا جا سکتا جو اُسے ایک اعلیٰ مالک اراضی کی حیثیت سے حاصل ہو گئے ہیں۔ اس نے بہت جلد اس ناقابل تردید اختیار کو ذریعۂ منفعت بنا لیا تھا۔ بعض زمینداریاں وسیع تھیں اور ان کے انتظام میں دقت پیش آتی تھی۔ رعیت ضدی تھی جس پر غلبہ پانا دشوار تھا۔ ملازمین مرتشی اور ناقابل اعتماد تھے اور زمیندار بڑے بڑے عدالتی مقدمات میں پھنسا رہتا تھا۔ اُسے کسی عبادت خانے کو نذر کرنے، بیٹا یا بیٹی کا بیاہ رچانے، سرادھا یعنی نذر و نیاز کے موقع پر برہمنوں کی ایک جماعت کو دعوت دینے، جدید مکان بنانے، من مانی خواہش پوری کرنے، خیراتی امور انجام دینے اور مذہبی رسوم ادا کرنے کے لیے کثیر رقوم کی ضرورت درپیش رہتی تھی۔

مہاراجہ بردوان جس کی اولاد اب بھی بنگال کے متمول ترین زمینداروں میں شمار کی جاتی ہے شکمی زمینداری قایم کرتا رہتا تھا جو پٹنی کہلاتی تھی۔ اس لفظ کے لغوی معنی تو آبادی یا بستی کے ہیں۔ مالگزاری کی اصطلاح میں اس سے ایسا تعلقہ مراد ہونے لگا جو زمیندار اپنی پوری جائداد یا اس کے کسی حصے پر قایم کرے اور اس پر پٹہ دار اور اس کے ورثا ایک مستقل و معین شرح لگان کے ساتھ دوامی طور پر[1] قابض ہو جائیں۔ اس طرح پٹنی دار عملاً زمیندار کا قایم مقام بن جاتا اور زمیندار اگرچہ اس کے بعد بھی اصولاً حکومت کی طرف سے اپنے فرایض ادا کرنے، پولیس کو مدد دینے اور جرایم کی اطلاع کرنے کا ذمہ دار سمجھا جاتا لیکن عملی طور پر وہ اپنی جائداد کے حصۂ مذکور پر لگان عائد کرنے والا بن جاتا اور پٹنی دار خود اپنا حق قایم کرنے کے لیے ایک بڑی رقم بطور نذرانے کے دے کر ایک مستقل جائداد حاصل کر لیتا جس کے ساتھ اُسے حقوق بیع و انتقال اور اپنے مالک کے دیگر تمام اختیارات

۱؎ ۔ ضابطۂ ہشتم ۱۸۱۹ء۔

بھی مل جاتے تھے۔ ۱۸۱۹ء کے قانون کی رو سے جو بقایائے لگان پٹنی دار کے ذمے ہوتی وہ زمیندار سے نہ صرف معمولی عدالتی کارروائی کے ذریعے وصول کی جاسکتی تھی بلکہ باضابطہ اطلاع اور بعض قانونی شرائط کے تحت کلکٹر بیع ملکیت کی سرسری کارروائی بھی کر سکتا تھا۔ زمیندار کی جائداد کا بصورتِ بقایا سال کے چار معین اوقات پر نیلام عام کیا جاسکتا تھا۔ پٹنی دار کی جائداد صرف دو مرتبہ مئی اور اکتوبر کے مہینوں میں فروخت ہو سکتی تھی۔

مذکورہ بالا قانون کے ساتھ ہی ساتھ ایسے قواعد بھی نافذ کیے گئے جن کی بنا پر بصورتِ نیلام عام، تمام شکمی زمینداریاں منسوخ ہو جائیں، تاہم باقی داروں کو یہ موقع دیا گیا کہ وہ بقایا کی بابت اعلیٰ زمیندار کی مطلوبہ رقم ادا کر کے اپنی جائدادوں کو محفوظ کر لیں۔ عام طور پر اس جدید قانون سے وہ تمام مسلسل کارروائیاں جائز قرار دے دی گئیں جن کی ابتدا بردوان میں ہوئی تھی اور جنھیں دیگر اضلاع کے زمینداروں نے اختیار کر لیا تھا اور جو رفتہ رفتہ سارے ملک میں پھیل گئی تھیں۔

اس حد تک تو گمان غالب یہی ہے کہ پٹنیوں کے قیام یا بڑی بڑی جائدادوں کی ذیلی تقسیم سے جو مستحکم و قابلِ انتظام علٰحدہ زمینداریاں قائم ہوئیں وہ اپنے کاروبار خوب چلاتی ہوں گی اور سرکاری مالگزاری محفوظ اور کاشتکار حقیت دار کی حالت اصلاح پذیر رہتی ہوگی۔ لیکن بدقسمتی سے جو طریقِ عمل زمینداروں نے شروع کیا تھا اسے اس کے ساختہ پٹنی دار نے ترقی اور وسعت دی۔ وہ خود ہی جب اپنے کاشتکاروں کے ساتھ جھگڑوں میں پریشان ہوتا یا اسے اپنی آسودگی کے لیے ایک بھاری رقم ادا کرنے کی ضرورت پیش آتی تو وہ اپنے حقوق و اختیارات ایک دوسرے پٹنی دار کے تفویض کر دیتا اور یہ ایک تیسرے کے حوالے کرتا تھا۔ اس طرح کے ساختہ پٹنی دار اصطلاح میں در پٹنی دار اور سہ پٹنی دار کہلائے۔

ساٹھ برس گزر جانے کے بعد اب یہ بحث و تمحیص لاحاصل ہے کہ حقوق و فرائض کی مسلسل منتقلی کو قانونی حیثیت دے دینے کی مصلحت کیسی تھی یا یہ تحقیقات فضول ہے کہ آیا صرف درجۂ اول کی پٹنی داری کو تسلیم کرنا اور مزید تقسیم ممنوع قرار دینا زیادہ مناسب اور مبنی بر انصاف ہوتا۔ لیکن ناقابل تردید امر یہ ہے کہ پہلے دوسرے اور تیسرے درجے کے پٹنی داروں میں سے ہر ایک دیہات کی معمولی آمدنی کے علاوہ کچھ اور نفع کی

توقع رکھتا تھا، اس لیے اس زائد نفع کی صورت نکالنے اور اسے پٹنی دار کے حوالے کرنے کا بار دراصل کاشت کاروں پر پڑتا تھا۔ اس بات کا امکان نہ تھا کہ کسی درجے کا پٹنی دار محض محصل لگان کی حیثیت قبول کرتا اور قلیل کمیشن ہی کو اپنا صلہ سمجھ کر قانع ہو جاتا۔ محولِ بالا قانون کی رو سے ہر پٹنی دار اپنے تعلقے کو "ہر اس صورت میں جسے وہ اپنے اغراض کے لیے مفید ترین سمجھے" ٹھیکے پر اٹھا دینے کا مجاز تھا اور اس زمانے کے قانون ساز کاشت کار کی حفاظت کے مقابلے میں سرکاری لگان کے مستحکم کرنے اور زمیندار کے حقوق کو ملحوظ رکھنے کی جانب زیادہ متوجہ تھے۔

پٹنی داری ہی ایسی شکلی زمینداری تھی جس کے لیے ایک مدت دراز تک نیا قانون وضع کرنے کی ضرورت خصوصیت کے ساتھ محسوس ہوتی رہی مگر بعد میں اسی طرح کی پٹنی داریوں کی متعدد اقسام مختلف ناموں سے مختلف شرایط کے ساتھ تمام صوبے میں قایم ہو گئیں۔ ضلع باقر گنج میں اصل زمیندار اور کاشت کار کے مابین اس قسم کی چار چار اور پانچ پانچ پٹنی داریاں حائل پائی گئیں۔ بار بار ان کے متعلق عدالتی چھان بین کی گئی اور عدالت کا فیصلہ انھیں کے موافق رہا۔ اگرچہ ان پٹنی داریوں کا باقاعدہ تحفظ عمل میں نہیں لایا گیا تاہم ان مختلف قوانین میں ان کا لحاظ رکھا گیا جو مالگزاری ادا نہ ہونے کی صورت میں جائداد کے نیلام کرنے کے متعلق وضع کیے گئے اور اس قسم کے پٹنی داروں کو یہ سہولتیں عطا کی گئیں کہ وہ اپنے اپنے پٹوں کی خاص طور پر رجسٹری کرالیں تاکہ اصل جائداد کے نیلام پر وہ مسترد ہو جانے سے محفوظ رہ سکیں۔ لیکن موجودہ حالت یہ ہے کہ تقریباً ایک صدی سے زمیندار اور کاشت کار کے درمیان تین چار پٹنی دار معقول منافع حاصل کر رہے ہیں، جنگل کم ہو گئے ہیں، زراعت ترقی پذیر ہے، ملک کی اندرونی تجارت نہایت سرگرمی سے چل رہی ہے، دیسی کشتیوں کے بیڑے کے بیڑے، بیل گاڑیوں کی قطاریں اور ہزاروں میل تک ریل کی پٹریاں ملکی پیداوار کے مختلف النوع ذخائر کو اندرونِ ملک کی تجارتی منڈیوں اور کلکتے کے بندرگاہ تک پہنچانے کے لیے ناگزیر ہو گئی ہیں۔ یہ سب چیزیں ایک حد تک قدرتی اسباب کے عمل سے عدیم المثال زرخیز زمین پر ظہور پذیر ہوئی ہیں جسے جابجا ہزاروں ندیوں کی جمع کردہ مٹی تقویت دیتی رہتی ہے مگر دراصل یہ اس رعیت کے صبر، جفاکشی اور مسلسل کاشت پر مبنی ہیں جو اپنی مقبوضہ اراضی کی وسعت کو بہترین طریقے پر استعمال کرنے سے آگاہ ہے اور اشوک یا منو کے

زمانے کے قدیم آلات سے حیرت انگیز نتائج گو غیر سائنٹفک سہی پیدا کرتی رہی ہے۔

ایک شکمی زمینداری کی حدود کو چند جامع الفاظ میں بیان کرنا ہر وقت آسانی سے ممکن نہیں ہوا ہے اور یہ کہنا بھی مشکل ہے کہ کس وقت ایک معقول حیثیت کے کاشت کار حقیت دار کو جو اپنے تحت کئی کاشتکار رکھتا ہے پٹنی دار کی طرح شمار کیا جائے۔ حال ہی میں کوشش کی گئی ہے کہ ان دونوں قسموں کو ایک دوسرے سے علٰحدہ کردیا جائے اور ہر ایک کو ایک بیّن قانونی حیثیت دی جائے۔ عملی طور پر ایک عہدہ دار ضلع کو جو کارداں ہو کسی ایک خاص فرد کی حیثیت کا تصفیہ کرنے میں کوئی وقت پیش نہیں آتی۔

بنگال کے قوانین بیع جن کی رُو سے وقت معین پر مالگزاری ادا نہ ہونے کی صورت میں نقصان کی تلافی اور جائداد کی منسوخی ضروری ہو جاتی ہے اکثر سخت اور شدید گردانے گئے ہیں۔ اگرچہ ۱۷۹۳ء اور ۱۸۵۹ء کے درمیان اکثر و بیشتر ان میں ترمیم کی گئی لیکن قوانین مذکور کا اثر یہ ہوا ہے کہ پابندی وقت کے ساتھ تادیہ ہونے لگا جو کسی اور طرح ممکن نہ تھا اور گذشتہ چند سال سے زمینداروں کو بہ حیثیت مجموعی کوئی نقصان پہنچائے بغیر حکومت کے مطالبات بھی محفوظ ہو گئے۔ اس میں شک نہیں کہ اس صدی کے اوائل میں جب کہ جائدادوں کا اُن مختلف اضلاع میں نہیں جہاں کہ وہ واقع تھیں بلکہ صرف کلکتے میں کافی اطلاع دہی کے بغیر ہر سہ ماہی میں ایک بار سے زاید نیلام ہونے لگا تو متعدد جائدادیں بہ عجلت فروخت کردی گئیں اور ان کو اٹکل بازوں یا ایسے لوگوں نے خرید لیا جو مالکوں سے اصل واقعات پوشیدہ رکھا کرتے تھے۔ لیکن گذشتہ پچاس سال سے ایسی شرائط نافذ کی جارہی ہیں جن سے قانون میں بہت کچھ سہولت اور تخفیف ہو گئی ہے چنانچہ جن اشخاص کا جائداد پر استحقاق ہوتا ہے انہیں اجازت ہے کہ رقم واجب الادا داخل کرکے اُسے نیلام سے بچالیں اور اسی طرح ایک شریک دوسرے کی بالارادہ غفلت یا بے پروائی کے خمیازے سے مامون رکھا جاتا ہے۔

نیلام باقاعدہ قانونی شرائط کے تحت جن کی اطلاع تمام متعلق فریقوں کو دی جاتی ہے عمل میں آتا ہے اور اگرچہ نیلام اصولاً ہر قسم کے لواحق کی تنسیخ کے لیے منعقد ہوتا ہے اور خریدار کو تقریباً ایسے ہی حقوق دیے جاتے ہیں جیسے کہ پارلیمنٹ کا قانون عطا کرتا ہے اور اس طرح خریدار ایسی ساری جائداد پر قابض ہو جاتا ہے جو سابق مالک

کے ہر فعل اور نا عاقبت اندیشانہ کارروائی کے اثرات مابعد سے پاک ہوتی ہے تاہم یہ امر ضروری سمجھا گیا کہ نہ صرف قدیم شکمی زمینداروں اور قبضہ دار کاشتکاروں کے حقوق کو منسوخ ہونے سے بچایا جائے بلکہ دیگر مفاد کو بھی جو صوبے کی عام اصلاح و ترقی کے ضمن میں پیدا ہو گئے ہیں محفوظ رکھا جائے۔ اراضی جو اصل پٹوں کے ساتھ معقول شرح لگان پر اٹھی ہوئی تھی یا بیس سال یا اس سے کم مدت تک کاشت کے لیے ٹھیکے پر دی گئی تھی مستثنیٰ کر دی گئی۔ قسم اول میں کانیں، باغ، صنعتیں، تالاب، نہریں، عبادت گاہیں اور قبرستان شامل کیے گئے۔ غرض بلا خوف تردید یہ کہا جا سکتا ہے کہ گذشتہ پچاس سال سے زاید مدت میں کوئی بیش قیمت جائداد محض قانون نفاذ یا دیع کے نفاذ سے نیلام نہیں ہوئی بلکہ کئی تباہ حال جائدادیں جن کے کوئی خریدار کھڑے نہ ہوتے تھے برائے نام ایک قلیل قیمت پر حکومت کی طرف سے خرید لی گئیں اور اب ان جائدادوں کا انتظام جو اصطلاح میں "خاص محال" یا "ذاتی جائدادیں" کہلاتی ہیں ہر کلکٹر کے فرائض کا ایک نمایاں و مخصوص جزو ہے۔ اس قسم کی صورتوں میں حکومت نے زمینداری کے حقوق کے ساتھ ساتھ شاہی حقوق بھی حاصل کر لیے ہیں۔

حکومت کی یہ خرید کردہ جائدادیں عام طور پر کسی اولوالعزم اور جفاکش شخص کو جو اکثر انگریز ہوتا ہے ٹھیکے پر دی جاتی ہیں اور حال ہی میں تخمینہ کیا گیا ہے کہ صوبجات شیبی میں اس ذریعے سے جو کل سالانہ آمدنی مالگزاری ہوتی ہے وہ دو لاکھ بیس ہزار پونڈ سے بہت زیادہ متجاوز نہیں ہوتی اور یہ رقم تمام صوبے کے دیگر مالکان اراضی کی داخل کردہ مالگزاری کے مقابلے میں بالکل بے حقیقت ہے۔ موضوع زیر بحث کے اس حصے کے متعلق یقیناً یہ کہا جا سکتا ہے کہ بنگال کے قوانین اراضی کا اقتصادی پہلو، جائدادوں کے حصے بخرے کرنے کے لیے ہندوؤں کے مشترک نظام خاندانی کی روش، آبادی کی ناگزیر ترقی کے ساتھ ساتھ تجارت، ساہوکاری اور اہم کاروبار کے باعث دولت اور سرمائے کی فراوانی نئی نسلوں کو اپنی کھوئی ہوئی زمینوں پر قابض ہونے کی خواہش اور تحفظ و اطمینان کا عام احساس جو تقریباً ایک صدی کے مسلسل امن و امان کا نتیجہ ہے یہ تمام امور کم و بیش کارنوالس کے پیش نظر تھے اور وہ انہیں دیکھ کر بہت مسرور ہوتا۔

اس موضوع کے ایک دوسرے حصے کے متعلق حکومت کی اختیار کردہ کارروائی

اطمینان بخش نہ تھی۔ ہندوستان کے تمام صوبوں میں حکمرانِ وقت ہر زمانے میں جاگیریں
جو تادیہ مالگزاری سے مستثنیٰ رکھی جاتی تھیں برہمنوں اور پجاریوں کو عبادت گاہوں کے
لیے بطور اوقاف کے عطا کرتے چلے آئے ہیں اور ایسے لوگوں کو بھی جنہوں نے
دیوانی یا فوجی حیثیتوں میں قابل قدر خدمات انجام دی ہوں، نیز ہر قسم کے اہل و نااہل منظورِ نظر
اشخاص کو جن میں وزراء، گویتے، لولیاں، مستوراتِ حرم، مسخرے، جوتشی اور باورچی تک
شامل تھے۔ وارن ہیسٹنگز کو ان عطیوں کے وجود کا بخوبی علم تھا اور جیسا کہ بیان کیا جا چکا
ہے کارنوالس نے بھی ان حقوق کے جواز کی جن پر وہ مبنی تھے جلد تحقیقات کرنے کا
ارادہ ظاہر کیا تھا مگر بدقسمتی سے کارنوالس سے لے کر بنٹنک تک ہر گورنر بنگال کل
ہندوستان کا بھی گورنر جنرل ہوتا تھا اور وہ فتوح و جنگ مہمات کی سربراہی نئے علاقوں
میں صلح کاری اور ان میں سے بعض کی حوالگی نیز ایسے قوانین و ضوابط کا نفاذ جو نہایت ضروری
اور ہر لحاظ سے مفید سمجھے جاتے تھے ان سب امور میں ہمہ تن مشغول رہتا تھا نتیجہ یہ ہوا کہ
اگرچہ مختلف مباحثے ہوتے رہے اور مارکوئیس آف ہیسٹنگز کے دوران حکومت (۱۸۱۹ء)
میں ایک خاص قانون بھی باطل و ناجائز پٹی داریوں کی ضبطی کے متعلق وضع کیا گیا لیکن
دس برس بعد تک اس پر کوئی عمل نہ ہو سکا۔

بلاشبہ یہ بنگال بلکہ ہندوستان کے ہر صوبے کے بندوبست کا بنیادی اصول
ہے کہ حکومت، اراضی کے ہر ایکڑ کی پیداوار کے کچھ حصے کی مستحق ہوتی ہے بجز اس صورت
کے کہ حکومتِ مذکور کسی مدت کے لیے یا مستقلاً دستاویز حقیت یا سند دے کر جس کی شرائط
کی پابندی برطانوی حکومت پر عائد ہوتی تھی اپنے حقوق سے دست بردار نہ ہو جائے
چنانچہ اس انتقالِ حقیت کی تحقیقات کرنے کے لیے ۱۸۲۹ء میں چند عہدہ دار جو اسپیشل کمشنر
کہلائے مقرر کیے گئے اور بعد ازاں ان کے تحت چند اور افسر موسوم بہ اسپیشل ڈپٹی کلکٹر
رکھے گئے جن میں سے ہر ایک تحقیقات مذکور کے ضمن میں تین تین چار چار ضلعوں پر مامور ہوا۔ ان
کے فرائض، معمولی کلکٹروں کے فرائض سے بالکل علیحدہ تھے۔ معافیاں ابتداءً میں دو وسیع
عنوانوں پر تقسیم کی گئیں۔ اول وہ جو فرمانروا یا شہنشاہ کی طرف سے عطا کی گئیں تھیں اور
بادشاہی یا شاہی معافیاں کہلاتی تھیں۔ دوم وہ جو صوبہ داروں، والیسرایوں، زمینداروں
یا عاملوں اور دیگر اعلیٰ عہدہ داروں نے دی ہوں۔ یہ حکمی معافیاں کہلاتی تھیں۔ ان تین

سے بلند پایہ عطیہ آلتمغا یا مہر کلاں کا تھا۔ ایک اور قسم مدد معاش کہلاتی تھی۔ جن مواضع کے متعلق یہ کہا جاتا تھا کہ شاہ ایران نے تھیمسٹوکلس کو عنایت کیے تھے وہ بھی یقیناً اسی قسم کے تھے۔ علاوہ بریں مختلف دیگر قسمیں تھیں مثلاً دیوتا، معابد کی معافیاں۔ برہمتر، برہمنوں کی۔ بھتراں، شودروں کی۔ ائمہ، وہ اراضی جو خیرات میں دی گئی ہو اور برائے نام لگان پر اٹھی ہو۔ پیراں، اور فقیراں، وہ اراضی جو مسلمان دینی بزرگوں یا ان کے مزاروں اور فقیروں کو عطا کی گئی ہو۔ اسی طرح متعدد دیگر لوگوں کی بھی اراضی معافی تھی۔ دقیق اور تکلیف دہ چھان بین سے بچنے کے لیے یہ قاعدہ مقرر ہوا کہ سو بیگے سے کم رقبے کی تمام معافیاں تحقیقات سے مستثنیٰ رکھی جائیں اور بعد کو یہ قرار پایا کہ اس استثنا میں پچاس بیگے سے کم کے قطعات زمین بھی شامل کیے جائیں باوجودیکہ ان میں سے ایک یا زیادہ قطعات ایک ہی فرمان یا سند کے تحت ہوں اور ان کا مجموعی رقبہ سو بیگے سے بڑھ جاتا ہو۔

لیکن قوانین ضبطی کے باعث جو بے اطمینانی دیسی طبقوں میں پیدا ہوئی وہ بہت شدید تھی اور جلد فراموش ہونے والی نہ تھی۔ اس نصف صدی کے دوران میں بہت سی اصلی دستاویزیں تلف ہو چکی تھیں۔ یہ یا تو نمی سے خراب ہو گئی تھیں یا کرم خوردہ تھیں یا آتش زدگی سے برباد ہو گئی تھیں جو ہر بازار میں بہ زمانہ گرما واقع ہو جایا کرتی ہے اور دو گھڑی میں تمام علاقے کو خاکستر کر ڈالتی ہے۔ لہٰذا ان تلف شدہ دستاویزوں کی بجائے نئی جعلی دستاویزیں بنانے کی رغبت عام طور پر لوگوں کو ہونے لگی۔

علاوہ بریں جو متعدد معافیاں دراصل مذہبی کاموں، خدا ترس بزرگوں اور عالموں کی اعانت کے لیے عطا ہوئی تھیں وہ یا تو فروخت ہو چکی تھیں یا دنیوی اغراض میں لگا دی گئی تھیں۔ بعض ایسی تھیں جو مملکتوں کی مانند انقلاب میں آ گئی تھیں اور دست بدست کہیں سے کہیں پہنچ گئی تھیں۔ جس طرح حکومت اپنے خاص حقوق کی طرف سے غفلت برت رہی تھی اسی طرح ہندوستانی قوم بھی حفاظت و اطمینان کے احساس باطل کے ساتھ غافل ہو گئی تھی۔ مہینوں بلکہ برسوں تک اخباروں میں ایک سرگرم مباحثہ ہوتا رہا جس میں حکومت کے طرفداروں اور معافی داروں کے حامیوں دونوں نے اعلیٰ قابلیت و ذہانت کے جوہر دکھائے۔

دوران تحقیقات میں حکومت نے عام بے اطمینانی کو کسی قدر رفع کرنے کے لیے

مختلف رعایتیں کیں چنانچہ جو معافیاں اپنے ابتدائی مقاصد کی بجا آوری پر ہنوز قائم تھیں یا جن کے متعلق گمان غالب تھا کہ ۱۷۶۵ء یا حصول دیوانی سے قبل کی ہیں یا اگر بین ثبوت اس امر کا بہم پہنچ گیا کہ سال مذکور کے بعد سے وہ مسلسل طور پر بلا شرکت غیرے ایک ہی شخص کے قبضے میں رہی ہیں تو ایسی تمام صورتوں میں ان کی ضبطی پر اصرار نہیں کیا گیا۔ اس تحقیقات کا نتیجہ یہ نکلا کہ بنگال میں سرکاری مالگزاری میں بقدر اڑتیس لاکھ سالانہ بیشی ہوئی اور اس تمام کارروائی میں ایک کروڑ بیس لاکھ روپیے صرف ہوئے۔ لیکن چھوٹے چھوٹے قطعاتِ اراضی کی ایک کثیر تعداد جسے حکومت نے صریح طور پر اپنے دعاوی سے بری رکھا تھا اب بھی زمینداروں کی تشخیص مالگزاری کے لیے وقف تھی۔

چوں کہ اپنے حق معافی کا باقاعدہ ثبوت پیش کرنے کی تمام تر ذمہ داری دعویدار کاشت کار ہی پر عاید ہوتی تھی اس لیے عدالتوں میں اس قسم کے متعدد حقوق پر بازپرس ہوئی اور جو ناقص ثابت ہوئے وہ تشخیص لگان کے مستوجب قرار دیے گئے۔ با ایں ہمہ بنگال بھر میں اب بھی ہر جگہ دیوتار، برہمتر اور دیگر اقسام معافی کی مثالیں موجود ہیں جو اس سخت آزمائش سے بچی رہی ہیں اور یہاں کی رعایا میں ایک قسم کی مفاہمت ہو گئی ہے کہ جو کاشتکار اپنے خوش نصیب مالکوں کے تحت اراضی معافی کی کاشت کرتے ہیں وہ معمولی تعلقوں کے اسامیوں سے کم لگان ادا کریں۔ ضبطیوں کے مواقع پر رعایا کے جوش و خروش اور اضطراب سے متنبہ ہو کر حکومتِ ہند اپنے جدید مقبوضات اور الحاق شدہ علاقہ جات میں اپنے حقوق کے استعمال کے وقت زیادہ مستعدی سے کام لیتی ہے چنانچہ معاملات کے رو بہ راہ ہوتے ہی تحقیقات شروع کر دی جاتی ہے جو معقول اصول کے تحت ہوتی ہے اور اس میں معطی کے مقاصد کا خاص طور پر لحاظ رکھا جاتا ہے۔ بعض صورتوں میں معافی کی میعاد دو تین پشتوں تک بڑھا کر اس کے اختتام پر نصف شرح لگان عاید کر دی جاتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ہر صوبے میں اس قسم کی تمام معافیوں کے متعلق جو کسی شاہی خاندان، حکمران یا صوبہ دار کی طرف سے عطا ہوئی ہوں یہ شرط مضمر رہی ہے کہ وہ سب آیندہ جانشین کی رضا و رغبت پر منحصر رہیں گی۔ اس ضمن میں مناسب اور منصفانہ حکمت عملی یہی ہے کہ محکمۂ مال اس وقت جبکہ باقاعدہ بندوبست کیا جائے خواہ وہ تعلقداری ہو یا دہ بندی یا رعیت واری ان تمام معافیوں کی جانچ پرتال کرے۔ دونوں کارروائیوں کو علیحدہ علیحدہ عمل میں لانا اور

اراضی معافی کی تحقیقات کو ملتوی رکھنا ہندوستانی رعایا کے نزدیک ایسی غلطی تھی جو ایک ظالم حکمران کے فرمانِ ضبطی کے مرادف سمجھی گئی۔

کارنوالس کا مجموعۂ قوانین نافذ ہونے کے بعد دیگر انتظامی قواعد کی تعمیل میں بھی اسی قسم کا تساہل برتا گیا۔ ۱۷۹۳ء اور ۱۸۰۳ء کے قوانین کی بنا پر جن پنج سالہ رجسٹروں کی ترتیب کا اہتمام کیا گیا تھا اور جن کا منشا یہ تھا کہ جائدادوں اور ان کے مالکوں کے تغیر و تبدل کی یادداشت موجود رہے وہ کبھی ٹھیک طور پر نہ رکھے گئے۔ جدید حصہ داروں اور خریداروں کو ان کی مرضی پر چھوڑ دیا گیا کہ خواہ وہ اپنے نام کلکٹر کی فرد لگان میں درج کرائیں یا نہ کرائیں۔ مقامی عہدہ دار جو قانون گو اور پٹواری کے نام سے مشہور تھے رفتہ رفتہ معدوم ہو گئے۔ پٹواری دیہی محاسب ہوتے ہیں جو ہندوستان کے دوسرے علاقوں میں بھی دیہات کے اعداد و شمار رکھتے ہیں۔ بہرحال ایک دوسرے کام کی طرف توجہ کی گئی۔ صوبے کے وسیع رقبے کے باعث پیمائش اراضی نامناسب خیال کی گئی۔ لیکن محالوں یا تعلقوں کی پیمائش تقریباً چالیس سال قبل عہدہ دارانِ مالگزاری نے شروع کی تھی اور اس سرسری پیمائش کی جیسا کہ اسے کہا گیا جانچ اور تصحیح افسروں کی ایک دوسری جماعت نے کی جو خاص کر سرکاری عمال سے ترتیب دی گئی تھی۔ یہ افسر زیادہ فنی مہارت رکھتے تھے اور ان کے زیر استعمال موزوں تر آلات پیمائش تھے۔ اس طریقِ کار سے بہت کچھ واقفیت بہم پہنچائی گئی۔ مواضع کی صحیح فہرستیں مرتب ہوئیں۔ تعلقوں کے علیحدہ علیحدہ نقشے تیار کیے گئے اور جہاں کہیں ایک ہی گاؤں مختلف تعلقوں میں شامل ہونا جیسا کہ اکثر ہوا کرتا تھا اور ان کی حدود ایک کو دوسرے سے علیحدہ کرنے کے باعث وہ متفرق حصوں میں منقسم ہوتے وہاں نقشے نسبتہً زیادہ صحیح، واضح اور مفصل بنائے گئے۔ تمام قدرتی اور اہم مصنوعی چیزیں مثلاً تالاب، دریا، غار، نالے، مسجد، مندر، اور سنگ و خشت کی عمارتیں نقشوں میں درج کی گئیں۔

بہت کچھ تجارتی اور زرعی اعداد و شمار بھی جمع کیے گئے اور اس طرح جغرافی خصوصیات، دریاؤں کے حالات، مخصوص فصلیں اور ملک کی دوسری پیداوار، حیوانی اور نباتی زندگی کی تفصیل، لوگوں کے پیشے اور ان کی ذاتیں، خشکی و تری کے موجودہ ذرایع آمد و رفت، خاص خاص تھوک بیوپار کی منڈیاں اور مختلف دیگر مقامی خصوصیات باقاعدہ دائرۂ تحقیقات میں لائی گئیں اور ان کی رودادیں مرتب کر کے شایع کی گئیں۔

اس تحقیقات کی تکمیل میں بالعموم اس کا لحاظ رکھا گیا کہ کسی کے مفقدات سے کوئی تعرض نہ کیا جائے اور نہ اس کا موقع دیا جائے کہ لوگوں کو بلاوجہ اندیشہ پیدا ہو کہ مالگزاری میں اضافہ کیا جا رہا ہے۔ یہ امر بیان ہو چکا ہے کہ اگر مصارف برداشت کر کے دو مختلف جماعتوں کی وساطت سے اول مخروطی کمپاس اور پھر زاویہ بیں آلے کے ذریعے اراضی کی پیمائش کرائی ہی تھی تو قرین مصلحت، مفید اور سہل العمل طریقہ یہ ہوتا کہ تحقیقات زیادہ طویل اور اس کے مقاصد زیادہ وسیع کر دیے جاتے۔ تھوڑے سے مزید خرچ کے ساتھ پیمائش کے سلسلے میں مواضع بلکہ قطعات مزارع تک کی مکمل حد بندی مالگزاری کے مناسب ترین اصول کے مطابق ہو جاتی۔

لیکن ہندوستان کے دیگر صوبوں کی بہ نسبت جنوبی بنگال میں کہیں زیادہ غیر متوقع تبدیلیاں بارش کے موسم میں ندیوں کے زبردست چڑھاؤ سے واقع ہوتی رہتی ہیں جو اپنے ساتھ مٹیالے رنگ کا سیلاب لایا کرتا ہے۔ ایک عظیم الشان سیلاب قدرتی مزاحم کو چیرتا پھاڑتا گاؤں کے گاؤں بہاتا، تعلقوں کا کلی یا جزوی طور پر قلع قمع کرتا اور بڑے بڑے قطعات کو غرقاب کرتا ہوا بالآخر اکتوبر کے مہینے میں ختم ہو جاتا ہے اور اپنے پیچھے ایک زرخیز دریائی زمین چھوڑ جاتا ہے جس پر کوئی مانوس نشان یا حد بندی باقی نہیں رہتی اور حیرت زدہ مالکان اراضی اپنے سابق قطعات کی حدود کے متعلق بے نتیجہ قیاس لگانے لگتے ہیں۔ اسی طرح ماہر ترین ملاح بھی اپنی کشتی نئی ندی میں کھیتا اور غیر مانوس گھاٹ پر لگاتا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ یہ کہنا بھی بے محل نہیں ہے کہ بنگال خاص کی تمام آبادی تقریباً ایک صدی سے عدالتی محکموں کے فیصلوں پر کاربند رہنے کی عادی ہو گئی ہے۔ عہدہ داران بندوبست، دیسی تحصیلدار اور سارے قابل تعریف امورِ تنظیم جن سے دوسرے صوبوں کے باشندے خوب واقف ہیں یہاں کبھی وجود میں نہیں آئے اور اس صورت میں جبکہ درجۂ اول کی عدالتوں کی تعداد حال میں بڑھ گئی ہے، جدید اضلاع قایم کیے گئے ہیں اور ذیلی علاقوں کی تشکیل سے مالی اور فوجداری مقدموں کے تصفیے میں زیادہ آسانیاں پیدا کی گئی ہیں تو یہ سوال اٹھایا جا سکتا ہے کہ آیا کارنوالس کے مقاصدِ بندوبست میں سے بعض بالآخر کامل طور پر حاصل ہو گئے ہیں یا نہیں۔

یہ بات قرین قیاس تھی کہ دوامی بندوبست ایسے بے بنیاد دعووں کی تائید

کرنے اور ناجائز معافیوں کو حق بجانب قرار دینے کے لیے پیش کیا جائے گا جن کو کوئی حکومت روا نہیں رکھ سکتی۔ چنانچہ جدید قسم کے شاہی اور مقامی محصولوں سے بچنے کے لیے بندوبست مذکور کو آڑ بنایا گیا۔ ایک نہایت لائق لفٹنٹ گورنر بنگال نے ازروئے تمسخر کہا ہے کہ ایک مرتبہ تحقیقات کے خلاف اس قدر شدید شورش پیدا ہو گئی کہ بجز محکمۂ عدالت کے کہیں اور کسی اسامی کا نام تک پوچھا جاتا تو اسے بھی زمینداروں کے حقوق کی پامالی پر محمول کیا جاتا تھا۔ یہ سوال کہ آئندہ زمیندار علاوہ اضافۂ مالگزاری کے حکومت کے عاید کردہ دیگر مطالباتِ محصول کی تکمیل کے ذمہ دار ہیں یا نہیں تقریباً بیس سال قبل وزیرِ ہند[1] نے بہت سخت مباحثے کے بعد حل کر دیا تھا۔ یہ صاف اور صریح دلیل پیش کی گئی کہ ۱۷۹۳ء کی شرائط ضمانت صرف مالگزاری سے متعلق ہیں۔ زمیندار اُن دیگر محصولوں سے جن کا ادا کرنا رعایا کے ہر فرد پر لازم ہے مستثنیٰ نہیں کیے جا سکتے تھے بجز اس صورت کے کہ بنگال اور دوسرے صوبوں کے اُن فرقوں پر جن کے ساتھ بہت کم رعایت ملحوظ رکھی گئی ہے نامناسب بار ڈالا جائے۔ علاوہ بریں دوامی بندوبست اراضی میں کوئی تبدیلی یا ترمیم ممکن نہ تھی۔ اب تک لوگ اسے اور اس کے بانی کو شکر گزاری کے ساتھ یاد کیا کرتے ہیں۔ اس بندوبست نے برطانوی قوم کو ایسی مُحکم شرائط کا پابند بنا دیا ہے جن سے رُوگردانی کا خیال کسی ویسرائے کو نہیں ہو سکتا۔

---

[1] ڈیوک آف ارگل۔

آٹھواں باب

سفارت پر برّ اعظم (یورپ) کی جانب روانگی ۔ مراسلاتِ ہند

کارنوالس کو ہندوستان میں جس آرام کی اکثر تمنا رہتی تھی اور جس کا وہ جائز طور پر مستحق تھا وہ ایک مدت تک اُسے نصیب نہ ہو سکا۔ کیئی (Kaye) کا یہ لکھنا بالکل درست ہے کہ وزارت وقت، سابق گورنر جنرل کے متعلق نہ صرف یہ خیال رکھتی تھی کہ اُسے اپنے ملک کی فلاح و بہبود کی غرض سے مشرق میں برسر کار کیا گیا تھا بلکہ یہ بھی سمجھتی تھی کہ اسی مقصد کی تکمیل کے لیے وہ مغرب میں بھی بجا آوری خدمات کے قابل ہے۔ ایک انگریزی فوج فلینڈرس بھیجی جا چکی تھی جو اس ملک کی حفاظت کے لیے آسٹروی، پرشوی اور ولندیزی عساکر کے ساتھ مل کر لڑ رہی تھی۔ ڈیوک آف یارک نے جس کے زیر کمان انگریزی فوج تھی پشگرو (Pichegru) کو شکست دے دی تھی مگر آسٹریوں کو جنرل کلرفیٹ (Clerfait) اور جنرل کانیٹز (Kaunitz) کی قیادت میں سخت مزاحمت پیش آئی تھی۔

آسٹروی اور پرشوی جنرلوں میں متحدہ افواج کی تعیناتی کے مسئلے پر بہت زیادہ اختلاف آرا تھا اور ان کے درمیان مفاہمت کرانے اور باہمی حسد و بے اعتمادی رفع کرنے کے لیے کارنوالس کو ہندوستان سے اُس کی واپسی کے چار مہینے کے اندر سفارت پر فلینڈرس روانہ کیا گیا تا کہ وہ شہنشاہ آسٹریا کے حضور میں معاملات کی تفصیل بیان کرے۔ اگرچہ اُس کو صریحاً کوئی معین خدمت یا فوج کی کمان نہیں دی گئی تھی لیکن جلد یہ بات

ظاہر ہو گئی کہ اس کی سفارت کا منشا عملی طور پر ڈیوک آف یارک کو معزول کرنا تھا اور بالآخر کارنوالس کو ضرورت محسوس ہوئی کہ شہزادہ یعنی ڈیوک موصوف کو ایک عرضداشت بھیجی جائے جس میں اُن مقاصد کی تشریح ہو جن کی بنا پر اس نے سفارت قبول کی ہے۔ یہ امر ڈیوک کے لیے قابلِ تحسین ہے کہ اس نے ایسے نازک موقع پر اس دلیرانہ و منصفانہ اور شرح مراسلت کو جو کارنوالس کی عادات اور مقاصد کے عین مطابق تھی خندہ پیشانی کے ساتھ لبیک کہا۔ یہ صاف ظاہر ہے کہ پٹ اور ڈنڈاس اس تدبیر کی طرف مائل ہوتے کہ کارنوالس کو سپہ سالاری کا درجہ عطا کر کے اُسے عملاً ساری متحدہ افواج کا کماندار بنا دیا جائے مگر اس راہ میں بہت سخت مشکلات درپیش تھیں۔ آسٹروی دریائے میوز (Meuse) پر پرشوی فوج کا لڑنا پسند نہ کرتے تھے بلکہ وہ مغربی فلینڈرس میں اس فوج کی ضرورت سمجھتے تھے اور وادی رائن (Rhine) کو فرانسیسی حملوں کے لیے چھوڑ دینے پر معترض تھے۔ برخلاف اس کے پرشوی جنرل میلنڈورف (Mallendorf) نے اپنی افواج کے فلینڈرس میں متعین کیے جانے کی درخواست کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور مختلف مجالس مشاورت اور طویل مراسلت کے بعد کارنوالس کو متحدہ افواج کا سپہ سالار بنانے کی تجویز ترک کر دی گئی اور وہ ۱۷۹۴ء کے وسط میں انگلستان واپس چلا آیا۔

لیکن اب بھی مجلس وزارت برّاعظم (یورپ) کی فوجی کارروائیوں کے طریقے کے متعلق اس سے مشورے لیتی رہی۔ کارنوالس نے جنگ میں پیش قدمی اختیار کرنے اور ایک بڑی انگریزی فوج کے برسرِکار رکھنے اور ایک قابل و عالی حوصلہ سپہ سالار کے مقرر کرنے کی ضرورت کو تسلیم کر لیا۔ ان اہم اور ضروری امور میں منہمک رہنے کے باوجود جن کی وجہ سے انگلستان کا اثر یورپ کے درباروں میں قائم تھا وہ کسی نہ کسی طرح ہندوستان کی خبریں سننے کے لیے وقت نکال لیتا تھا۔ اس کی خانگی زندگی کی جھلکیاں بھی کبھی ہمیں دکھائی دیتی ہیں چنانچہ اس نے لوئر گروس ونر اسٹریٹ میں لارڈ ہرٹ فورڈ کا ایک خوب آراستہ مکان چھ سو اشرفی سالانہ کرائے پر حاصل کیا اور ایک تعلقہ اس ملکیت کے ساتھ جو لارڈ برسٹل کے رمنے سے متصل تھی بارہ ہزار پونڈ میں خریدا۔ وارن ہیسٹنگز کے مواخذے میں شہادت دینے سے جس کی ملزم نے درخواست کی تھی وہ محض بیماری کے حملے کے باعث معذور رہا لیکن بعد کو منتظمین نے اس کا بیان

شہادت قلمبند کرلیا۔

۱۷۹۵ء کے آغاز میں کارنوالس توپ خانے کا افسر اعلیٰ مقرر ہوا۔ یہ ایک ایسی خدمت تھی جس کے عوض وہ ٹور (Tower) کی قلعداری بخوشی قبول کرتا مگر بعد از بہت جلد اس کا تقرر ایسکس (Essex) اور ہرٹ فورڈ شائر (Hertfordshire) کی افواج کی سپہ سالاری پر ہوگیا اور اس کا مستقر والی (Warley) قرار پایا براعظم (یورپ) کی ابتر حالت کے باعث اس کی سپہ سالاری ایک اہم و ذمہ دارانہ خدمت تھی اور اسی سبب سے اس کے تحت دو لفٹنٹ جنرل اور پانچ میجر جنرل رکھے گئے تھے۔ لیکن ہندوستان کے معاملات برابر اس کی توجہ اپنی جانب مبذول کراتے رہے۔ شور نے اُسے سندھیا کی موت نیز شاہی اور کمپنی کی افواج کی حالت سے مطلع کیا۔ اسی طرح جنرل ابرکرومبی ایک خط میں لکھتا ہے کہ اسے شور کی ہدایت پر ایک بغاوت کو فرو کرنا پڑا جو رام پور کے نواب مرحوم کے ایک نوجوان فرزند غلام محمد نے برپا کی تھی۔ کارنوالس نے فرصت پاکر شور کے خط کا جواب لکھا اور ایک دوسرے نامہ نگار کو بھی ایک یادداشت بھیجی جس میں دیسی باشندوں کا احاطوں کی صدر عدالتوں کے زیر اقتدار رہنا شدت کے ساتھ قابل اعتراض قرار دیا چنانچہ تاریخ ہند کے مختلف دوروں میں قدیم صدر عدالت کی عملداری کو اُن دیسیوں تک جو احاطے کے شہروں کی حدود سے باہر رہتے تھے وسعت دینے کی تمام کوششیں ناکام رہیں۔

لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس معاملے میں کارنوالس معمول سے زیادہ متجاوز ہوگیا تھا کیونکہ اس نے اس حد تک سفارش کی کہ احاطے کی عدالتوں میں صرف وہی مقدمات فیصل کیے جائیں جن میں فریقین انگریز ہوں یا کم از کم دیسی نہ ہوں۔ اس کی رائے یہ تھی کہ خاطر خواہ پیش بندی کرنے کے بعد ان عدالتوں کے روبرو دیسی لوگ صرف بطور گواہ کے طلب کیے جائیں۔ لیکن جس بات کا اُسے اندیشہ تھا وہ یہ تھی کہ اس قسم کے مقدمات میں صرف کثیر عاید ہوتا تھا، دوسرے یہ کہ ایشائی اقوام کو ایسی عدالتوں کے زیر اقتدار کرنا پڑتا تھا جو اجنبی قوانین کی تعمیل کراتی تھیں اور وہ بھی ایسی زبان میں جسے اُس زمانے میں بہت تھوڑے دیسی سمجھ سکتے تھے۔

اس مسئلے پر اور ایسے ہی دیگر مسائل پر نیز اس امر کے متعلق کہ انگریزوں

کی چارہ جوئی کے وقت انہیں دیوانی اور فوجداری مقدموں میں مقامی عدالتوں کا تابع بنایا جائے یا نہیں مختلف اوقات میں مباحثے ہوئے جن سے اینگلو انڈین فرقے میں سخت ہیجان پیدا ہوا اور یہ شورش برابر جاری رہی حتیٰ کہ ۱۸۶۲ء میں احاطے کی اعلیٰ اور صدر عدالتوں کو باہم ضم کرکے ایک ہی عدالت بنادی گئی جس کا نام عدالت العالیہ رکھا گیا۔ یہ انضمام متوفی لارڈ ہیلی فیکس کی قابلانہ و مدبرانہ اختراع کا نتیجہ تھا لیکن اس بات کا علم دلچسپی سے خالی نہیں ہے کہ خود کارنوالس نے اس عدالتی اقتدار کے مسئلے کے بارے میں پیش بینی کی تھی کہ انگریزی عدالتوں کا اقتدار دیسیوں پر یا مقامی عدالتوں کا ان انگریزوں پر جو اندرونِ ملک تجارتی کاروبار میں لگے ہوئے ہیں یقیناً آیندہ ایک پُرزور بحث و تمحیص کا باعث ہوگا۔

بہر صورت گزشتہ صدی کے اختتام پر ہندوستان کو ایک ایسی شورش میں مبتلا ہونا تھا جو ہماری عظمت و سیادت کی برقراری کے لیے بہت زیادہ خطرناک تھی اور یہ اندیشہ تھا کہ وہ اس ملک میں ہماری قوت کی بنیاد تک متزلزل کردے گی۔ کارنوالس نے شاہی اور کمپنی کی افواج کے متعلق چند سوالات تیرہ ممتاز افسروں کے پاس گشت کرائے تھے جن میں سے اکثر کمپنی کے ملازم تھے۔ اس تحقیقات کی افواہ بلند ہوئی اور ان انگریزوں نے جو ہندوستانی رجمنٹوں میں ملازم تھے غیر مکتفی معلومات کے باعث اس کے متضاد معنی سمجھے۔ تمام افسر ایک جگہ جمع ہوئے۔ اپنے نمایندے مقرر کیے، باہم رازداری کی قسمیں کھائیں اور ایسی تجاویز مرتب کیں جو آئین و نظم کے یکسر منافی تھیں بلکہ صاف الفاظ میں یہ کہ حیرت انگیز طور پر گستاخانہ و باغیانہ روش رکھتی تھیں۔ نمایندوں نے اس پر اصرار کیا کہ شاہی افواج ایک قلیل معین تعداد سے ہرگز بڑھنے نہ پائیں اور ان کے جنرلوں کا تقرر اسٹاف کے عہدوں پر ناجایز قرار دیا جائے اور تمام ترقیاں قدیم الخدمت افراد کو دی جائیں اور کوئی معمولی افسر کسی وقت بھی خدمت سپہ سالاری کے لیے منتخب نہ کیا جائے۔

علاوہ بریں دیگر مطالبات بھی تھے جو اسی طرح نازیبا اور خلاف ضابطہ تھے۔ کلکتے میں سرجان شور اس خودسری اور تمرّد کے منظر سے اس قدر گھبرایا کہ اُسے راس امید اور مدراس سے فوجیں طلب کرنے کی ضرورت ہوئی تاکہ افسروں کو خوف

دلا کر مطیع کیا جائے اور اس نے لارڈ کیتھ کو متنبہ کیا کہ جو بحری فوج اس کے زیر کمان ہے اس کے کلکتے بلائے جانے کا امکان ہے۔ یقیناً انگلستان میں مجلس وزارت پریشان تھی چنانچہ ڈنڈاس نے ایک خوشامدانہ خط میں کارنوالس سے التجا کی کہ وہ ایک سال کے لیے وطن کی آسایشوں سے دست بردار ہو جائے اور ہندوستان جا کر افسروں کے مطالبات کا تصفیہ کر دے۔ ڈنڈاس کا یہ خیال درست تھا کہ مذکورۂ بالا صورتِ حال سے تمام برطانوی سلطنت خطرے میں پڑ جائے گی اور اگر کارنوالس خدمتِ مفوضہ سے انکار کر دیتا تو وہ تیار تھا کہ خود ہی ہندوستان روانہ ہو جائے۔

لیکن ڈنڈاس کو کامل یقین تھا کہ کارنوالس کے نام کے محض ذکر پر تمام مشکلات دور ہو جائیں گی چنانچہ کارنوالس نے اپنی روانگی پر حقیقی رضامندی ظاہر کر دی اور جنرل راس کے نام بصیغۂ راز جو متعدد خطوط اس نے بھیجے اُن میں سے ایک میں وہ مختصراً لکھتا ہے "پانسا پڑ گیا ہے اور مجھے ہندوستان جانا ہے۔ مجھے بہت افسوس ہے کہ تمہارے خانگی حالات مجھے یہ جرأت نہیں دلاتے کہ تمہیں اپنے ہمراہ چلنے کے لیے کہہ سکوں" لیکن اس وقت واقعات کا رُخ بدل گیا تھا۔ بنگال کے بعض وفادار افسر اپنے نمایندوں کے دعاوی سے کنارہ کش ہو گئے۔ ادھر جو رعایتیں مجلس نگراں اور مجلس نظما نے پیش کیں وہ کارنوالس کو قطعی پسند نہ تھیں۔ فی الحقیقت اس نے مجوزہ احکام میں سے ایک کو لایعنی حکم قرار دیا۔ اسی اثنا میں بہ مقام پورٹس ماؤتھ بغاوت رونما ہوئی اور کارنوالس نے باآخر اگست ۱۷۹۷ء میں اپنی روانگی ہندوستان کا عزم فسخ کر دیا۔

اس کے بعد وطن سے قریب تر اُس کی خدمات کی ضرورت ہوئی۔ یہ ایک ایسی نازک جگہ تھی جہاں کئی مسلّم ارباب تدبیر و سیاست جوہر آزمائی کر کے اپنی شہرت کو داغ لگا چکے تھے اور اس مخصوص زمانے میں یہ سمجھا جاتا تھا کہ اس جگہ شدید جماعتی اختلاف، تصادم اغراض اور سخت و بے باک نکتہ چینی کی وجہ سے جو عمل کے بعد ہی شروع ہو جاتی ہے استقلال، قوت فیصلہ، فراست اور تعمیری تدبّر جیسی ساری صفات کی آزمائش ہوتی ہے۔ یہ خدمت بھی اسی قدر صبر آزما تھی جیسے کسی مشرقی غاصب کے مقابلے میں ایک طویل جنگ یا ہندوستانی ملازمت کی اصلاح یا ایک جدید بنیاد پر مالگزاری کا تعین ہوتا ہے۔ لارڈ کیمڈن جو آئرلینڈ کا لارڈ لفٹننٹ تھا اپنے عہدے سے سبکدوش ہونے والا تھا اس لیے

وزارتِ وقت نے تہیہ کر لیا کہ اس کی بجائے لارڈ کارنوالس کو ویسرائے اور سپہ سالارِ اعظم کی حیثیت سے مقرر کیا جائے۔ الحاق سے قبل آئرلینڈ کا جو نظم و نسق تھا یہاں اس کا مختصر تذکرہ بھی اس کتاب کے منشا سے مستبعد ہوگا۔ کارنوالس نے اس بھاری اور ذمہ دارانہ عہدے کو جون ۱۷۹۸ء میں قبول کیا اور مئی ۱۸۰۱ء میں لارڈ ہارڈوِک اس کا جانشین ہوا۔ اس سہ سالہ مدت میں آئرلینڈ کا الحاق مکمل ہو گیا۔

آئرلینڈ پر اپنی حکومت کے دوران میں جب کارنوالس ہر قسم کی فکروں، مایوسیوں مصیبتوں اور پریشانیوں میں مبتلا تھا اُس کے مراسلات ہند کی جانب متوجہ ہونا دلچسپی سے خالی نہیں۔ آئرلینڈ کے ویسرائے نے ہندوستان کی گورنر جنرلی کو کبھی فراموش نہیں کیا۔ قدرتی طور پر اسے عساکر بنگال کے افسروں کی غداری پر بے انتہا تشویش لاحق ہو گئی تھی چنانچہ سرکش نمایندوں کی پسپائی اور مطیع و وفادار افسروں کی فتح یابی کی خبر سنتے ہی اس نے یا تو حسب درخواست یا از خود ایک افسر کو جو ہندوستان روانہ ہو رہا تھا اپنے جانشین گورنر جنرل سر جان شور کے نام تعارف کا ایک خط دیا۔ یہ خط مختصر ہے اور یہاں اُسے کسی قدر شرح کے ساتھ نقل کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

"وہائٹ ہال، ۱۰ر جون ۱۷۹۶ء

بخدمت جناب سر جان شور صاحب

جنابِ مکرم۔

میں اس امر کا خواہاں ہوں کہ کرنیل ولزلی کا آپ سے تعارف کراؤں جو میری رجمنٹ میں لفٹنٹ کرنیل ہے۔ یہ ایک خوش فہم اور نیک افسر ہے اور مجھے یقین ہے کہ اپنے طریقِ کارگزاری سے آپ کی خوشنودی کا مستحق ہوگا۔"

اس خط کا حامل آرتھر ولزلی تھا جو بعد کو ڈیوک آف ولنگٹن ہوا۔ ایک دوسرے افسر کے حقوق پر جس کا نام نہیں بتایا گیا کارنوالس نے کوئی توجہ نہیں کی۔ ڈنڈاس مجبور کیا گیا کہ وہ مدراس کونسل کی رُکنیت کے لیے ایک افسر دیوانی کو نامزد کرے جس کے ظاہر و باطن سے کارنوالس بخوبی آگاہ تھا چنانچہ اس کے خیال میں اس افسر پر ایسی

بددیانتی کا الزام لگانا بالکل خلاف مصلحت تھا جس کا ثبوت نہ دیا جا سکے اگرچہ شبہ کتنا ہی قوی کیوں نہ ہو۔ لیکن ڈنڈاس کو ایک خط میں وہ لکھتا ہے کہ ایک مشتبہ سازشی شخص کا تقرر سخت ناموزوں ہے۔ اس وقت بنگال سے بھی زیادہ مدراس کے سارے نظم ونسق میں ایک کامل اصلاح کی ضرورت تھی۔ ایک اور خط پارلیمنٹ کے ایک نوجوان رکن کے متعلق جو غیر سرکاری طور پر ہندوستان جا رہا تھا اس قدر دور اندیشی پر مبنی ہے کہ آج بھی اسی قسم کے حالات میں وہ بکار آمد ہو سکتا ہے۔

وہ لکھتا ہے: "چونکہ مسٹر...... پارلیمنٹ کے ایک رکن ہیں اس لیے ممکن ہے کہ محکمۂ بندوبست کے نوجوان لوگ جو خصوصاً اپنی عمر کے نہایت ابتدائی زمانے میں باہر چلے گئے ہیں اور اسی وجہ سے یورپ کی سیاسیات سے کماحقہٗ واقف نہیں مسٹر موصوف سے رہبری کی توقع رکھیں۔ یقیناً ان کے ذاتی مفاد نیز محکمۂ مذکور کے عام عمدہ نظم ونسق پر اس سے بڑھ کر کوئی اور چیز برا اثر نہیں ڈال سکتی کہ ان کے دلوں میں جماعت بندی اور سراسر حکومت کی مخالفت کا جذبہ پیدا کیا جائے۔ آزادی اور مساوات کا اصول دنیا کے تمام حصوں میں نہایت مضر اور خطرناک سمجھا جاتا ہے لیکن یہ ہندوستان میں بالخصوص کمپنی کے ملازمین کے لیے بالکل ناموزوں ہے۔ ان ملازمین کی ترقی اور خوش حالی صرف اس بات پر منحصر ہے کہ وہ اپنے کام سے کام رکھیں اور بالادست افسروں کے احکام کی پوری طرح تعمیل کریں۔"

اپریل ۱۷۹۹ء میں جب کہ الحاقِ آئرلینڈ کے متعلق شدید ترین مخالفت برپا تھی کارنوالس بنگال واپس نہ جانے پر دل سے پشیمان ہو رہا تھا۔ جولائی میں مارکوئیس آف ولزلی کا جو اس وقت لارڈ مارننگٹن تھا اور جو سر جان شور کا جانشین ہوا تھا اُسے ایک خط ملا جس میں مسٹر چیری کے قتل کی تفصیل مندرج تھی جو بنارس میں وزیر علی کے حمایتیوں کی آغاز کردہ ایک عام بغاوت کا نتیجہ تھا۔ اس خبر نے اُسے مغموم کر دیا لیکن چند ماہ کے بعد ہندوستان کی ایک ڈاک سے اُسے بہت خوشی نصیب ہوئی۔ مئی ۱۷۹۹ء میں سرنگاپٹم کی آخری تسخیر کے بعد افسران فوج نے اپنے سابق سپہ سالار اعظم کو جس نے ٹیپو سلطان کے خلاف دو مہین سر کی تھیں باتفاق آرا ایک سپاسنامہ پیش کرنے کی تجویز کی۔ ان افسروں نے اُسے متوفی حکمران کا عمامہ اور ایک مرہٹہ سردار کی تلوار بطور تحفہ

نذر دی۔ یہ چیزیں موجودہ گورنر بمبئی (۱۸۹۱ء) کے جدامجد جنرل ہیرس نے انگلستان پہنچائیں۔

مدراس سے کارنوالس کے قدیم وسخت تنفر کا یہ دوسرا دلچسپ مظاہرہ تھا کہ اس نے اس احاطے کے ساتھ ملیبار کے الحاق کی تجویز کو ناپسند کیا مگر اس معاملے میں وہ کوئی کارروائی اختیار کرنا نہیں چاہتا تھا۔ ادھر ڈنڈاس جو مجلس ہند میں ممتاز تھا اپنے خاص علاقے میں کسی قسم کی مداخلت کا متحمل نہ تھا اور خود آئرلینڈ کے متعلق بحث طلب مسائل کی کمی نہ تھی کہ ہندوستان کے جھگڑے بکھیڑے مول لیے جاتے۔ اس موقع پر آئرلینڈ کے معاملاتِ زیر بحث سے کنارہ کشی کرتے ہوئے اس بات کا ضمناً ذکر کیا جاسکتا ہے کہ کارنوالس کی میعادِ امارت ختم ہونے والی ہی تھی کہ مجلس وزارت کو دوسری جانب سے ایک فرضی سازش اور قتل عمد کے منصوبے کی اطلاع پہنچی۔ کارنوالس نے اس خبر کو بہت مبالغہ آمیز قرار دیا اور ڈیوک آف پورٹ لینڈ سے استدعا کی کہ آئرلینڈ کی حالت کے متعلق جو افواہیں انگلستان میں مشہور کی جاتی ہیں انہیں کچھ تحقیق کے بعد قبول کیا جائے۔ اپنے عہدے سے دست کش ہونے کے وقت کارنوالس کے جو جذبات تھے اُن کی صحیح کیفیت ذیل کے اقتباسات سے ظاہر ہوتی ہے:-

"جو مسرت مجھے ایک ایسی خدمت سے سبکدوشی حاصل کرنے پر ہونی چاہیے جس میں لطف زندگی کے ہر پہلو کے اعتبار سے سخت ترین تکلیف رہی وہ میرے اس خیال کی بدولت بہت کچھ معتدل ہو جائے گی کہ میں ایک ایسی قوم سے رخصت ہو رہا ہوں جسے میری ذات سے محبت ہے اور جس کی فلاح وبہبود کا سامان روزافزوں مشکلات کے باوجود میں نے کم وبیش مہیا کر دیا تھا۔"

تین روز کے بعد وہ ایک اور دوست کو لکھتا ہے:-

"آپ میری طبیعت کی افتاد سے اس قدر واقف ہیں کہ یقیناً آپ کو اس خوشی میں شبہ نہیں ہو سکتا جو مجھے اپنی خدمت سے دست کشی کے خیال پر حاصل ہوتی ہے اور اسی طرح آپ یقین مانیں گے کہ جو نامبارک واقعات میری کنارہ کشی کے وقت ظہور پذیر ہو رہے ہیں اُن کے متعلق میں زیادہ فکر مند نہیں ہوں لیکن ایک ایسی قوم کے مبتلائے مصیبت ہونے کا خیال جس کا طرز عمل میری جانب نہایت تشکر آمیز اور عقیدت مندانہ

رہا ہے اور اس کے ساتھ ہی یہ تردد کہ برطانوی سلطنت آئرلینڈ کے فسادات کی وجہ سے بالآخر خطرے میں پڑ جائے گی ایسی چیزیں ہیں کہ میری آیندہ مسرت کی توقعات میں ایک ناگوار آمیزش کا باعث ہوں گی۔"

۲۵ مئی کو لارڈ ہارڈوک ڈبلن پہنچ کر کارنوالس کا قایم مقام ہو گیا تھا۔ ۲۸ مئی کو کارنوالس ہولی ہیڈ چلا گیا۔ ۳۰ مئی کو شریوزبری سے وہ لکھتا ہے کہ موسم اور سڑکیں اس قدر خراب ہیں کہ اس شہر سے دو دن میں لندن کا سفر طے کرنے کا وہم و گمان بھی نہیں ہو سکتا۔ اُسے اپنی حکومت آئرلینڈ کا ایک تلخ تجربہ ہو چکا تھا لہٰذا انگلستان کو اس کی مراجعت بمنزلۂ نجات تھی نہ کہ علامتِ کامرانی۔ اُس نے آئرلینڈ کی امارت سے سبکدوشی کی خواہش ظاہر کی تھی اور مجلس وزارت نے اُس کے الفاظ پر عمل کیا۔ کارنوالس کے انگلستان پہنچنے کے بعد بھی جب آئرلینڈ کے نامہ نگاروں نے اُن وعدوں کے ایفا کا جو اس نے کیے تھے مطالبہ کیا اور لارڈ ہارڈوک کے نام سفارشی خطوط کے لیے اسے تنگ کیا تو وہ کلفورڈ چلا گیا اور اپنے بیٹے، بہو اور اُن کے دو بچوں کے ساتھ خوش و خرم رہنے لگا۔ یہاں اُس کا وقت اُن خطوط کے مطالعے میں صرف ہوتا تھا جو محاصل ہند سے متعلق ہوتے تھے اور ان کے بارے میں اس کا خیال تھا کہ بندوبست دوامی کے نفاذ کے وقت سرکاری یادداشتوں اور کاغذوں میں ان کا ذکر بے اعتنائی کے ساتھ کیا گیا۔ "اُن محاصل (یعنی دیگر محاصل) کا اجرا نہایت دور بینی اور عقلمندی کے ساتھ ہونا چاہیے اور اسے گورنر کی تلون مزاجی پر ہرگز نہ چھوڑنا چاہیے۔ اس میں جدت آفرینی بڑا نقص ہے اور یہ اس ملک میں بہت خطرناک ہے جو قدیم رسم و رواج کا شدت سے پابند ہے۔" زیادہ مدت نہ گزری تھی کہ کارنوالس کو مشرقی ضلع کی خدمتِ سپہ سالاری پیش ہونے پر اُس کے آرام میں خلل واقع ہوا۔

کارنوالس اس خدمت پر مصر بھیجے جانے کے حکم کو ترجیح دیتا لیکن جیسا کہ وہ فرض کی بجا آوری کے لیے ہمیشہ مستعد رہتا تھا کولچسٹر (Colchester) میں سواری، مکان اور مصاحب نہ ہونے کے باوجود اس نے اپنے عہدے کا جائزہ لے لیا۔ اس کے تحت ہنگامی سپاہ کے صرف آٹھ معمولی دستے تھے جن کی مجموعی قوت "تقریباً اٹھائیس سو پتھر کلاؤں" اور دو رسالوں پر مشتمل تھی۔ ملک کی حفاظت کے متعلق جو خوف و خطر قدرتی طور پر

اُسے لگا ہوا تھا اس میں کسی قدر تخفیف ہو گئی جب کہ اس نے کلیکٹن بیچ (Clackton Beach) اور والٹن ٹور (Walton Tower) کے قریب ایک ہ۱ ریزی (Razee) اور جنگی جہازوں کی دو مسلسل قطاریں دیکھیں۔ "ہمیں صرف اپنی چوبی دیواروں پر اعتماد کرنا چاہیے، ہم ان سے ساحل سمندر پر ایک قیامت برپا کر دیں گے" اس خیال آرائی کے بعد وہ بظاہر کسی نااہل فوجی افسر کے بارے میں طنزاً کہتا ہے "اگر واقعی یہی ارادہ ہے کہ فلاں شخص کنٹ (Kent) اور سیکس (Sussex) کی حفاظت کرے تو یہ سوال قابل التفات نہیں کہ کیسی فوج اس کے زیر کمان رکھی جائے"۔ اگست کے مہینے میں حملے کی عام دہشت کم ہونے لگی مگر کارنوالس کو ستمبر کے مہینے میں بھی سرتاپا تردد رہا۔ اُسے صلح کی کوئی امید نہ تھی بلکہ اندیشہ یہ تھا کہ کارزارِ مصر میں بہت سے آدمی کام آجائیں گے۔ میجر جنرل راس کو وہ اسی خط میں لکھتا ہے "ہم خشکی پر انگلستان کی حفاظت کے لیے نہایت بے تابی سے بے دریغ روپیہ خرچ کرنے پر آمادہ رہیں گے اور اگر کسی وقت دشمن ہماری چوبی دیواروں کی نگرانی سے بچ کر بڑھ نکلے تو پھر ہماری بری گت بنے گی"۔

کچھ مدت کے بعد اُسے فرانس جانے کے لیے کہا گیا تاکہ وہ صلح امینیز کی شرائط طے کرے اور یہ امید کرتے ہوئے کہ عنقریب وہ اپنے ایک پرانے دوست کے لیے "تیتر کا عمدہ شکار جیسا کہ سفوک (Suffolk) میں میسر ہو سکتا ہے مہیا کر سکے گا" اپنی سفارتی مہم پر روانہ ہو گیا۔

ہ۱ - ایک قسم کا چھوٹا جنگی جہاز۔

نواں باب

صلح ایمینز

جو گفت وشنید ایمینز کی صلح پر ختم ہوئی اس کے اہم مسائل تاریخ فرانس سے متعلق ہیں لیکن ان کا مجمل بیان اس باب میں اس سبب سے پیش کیا جاتا ہے کہ ہندوستان کے معاملات بھی بوناپارٹ کے رُوبرو اختصار کے ساتھ معرض بحث میں آتے رہے ہیں اور ان سے سابق گورنر جنرل کی ایسے سیاست دانوں سے گفتگو کرنے کی قابلیت کا اندازہ ہوتا ہے جو اسی قدر عیار اور تیز فہم تھے جس قدر کوئی ہندوستانی فرماں روا ہو سکتا ہے۔ برطانیہ عظمی اپنے بعض نوآبادی علاقے واپس لینا چاہتی تھی۔ ابتدائی عہد نامے کے وقت انگریز سفیروں کو یہ فکر دامن گیر تھی کہ فرانسیسی مصر کا تخلیہ کردیں۔ اسی طرح اور بھی کئی اہم مسائل محتاج بحث تھے مثلاً نیپلز اور رومہ کی ریاستوں کا مسئلہ اور مالٹا کی واپسی بحق مبارزین سینٹ جان۔ علاوہ بریں طرفین کے اسیران جنگ کی رہائی اور دورانِ حراست میں اُن کے مصارف خورونوش کا سوال بھی تصفیہ طلب تھا۔ بوناپارٹ صلح کا خواہشمند تھا تاکہ اُسے آیندہ جنگ کے لیے بہتر تیاری کا موقع مل جائے۔ اسی غرض سے اس نے دیدہ و دانستہ کارروائیوں کو لیت ولعل میں ڈالا اور تاخیر کا الزام انگلستان پر رکھا۔ معاہدا کی صورت واسلوب کے متعلق اپنی مراسلت میں فاتحانہ ومتکبرانہ لہجہ اختیار کیا اور ہر بات

میں حسب عادت دو رنگی چال سے کام لیا۔ چونکہ اس کا فیصلہ مشہور ہے اور ہر پڑھنے والے کے لیے مواد موجود ہے اس لیے یہاں گفت و شنید کے صرف ایسے چند واقعات کا ذکر کیا جاتا ہے جن سے کارنوالس کی فراست اور صلاحیتِ گفتگو ظاہر ہوتی ہے۔

کارنوالس ڈوور سے ۳ رنومبر ۱۸۰۱ء کو علی الصباح روانہ ہوا اور پندرہ گھنٹوں کے طوفانی سفر کے بعد رات کے دس بجے کیلیے پہنچا۔ اس کا استقبال پورے اعزاز و اکرام کے ساتھ عمل میں آیا اور اسے فوراً ہی پیرس پہنچا دیا گیا۔ ۸ رنومبر کو اس نے تیلیران سے ملاقات کی جسے وہ غیر محتاط اور ناقابل اعتبار شخص سمجھتا تھا۔ اس سردار کے قول کے بموجب بوناپارٹ کو انگریز سفیر سے ملنے کا بہت شوق تھا چنانچہ اسی مہینے کی دسویں تاریخ کو سفیر مذکور باریاب ہوا۔ تیلیران بھی موجود تھا۔ اس ملاقات کے متعلق ذیل کا بیان اس کے ایک خط موسومہ لارڈ ہاکس بری سے ماخوذ ہے :۔

"بوناپارٹ بدرجۂ غایت مراحم خسروانہ سے پیش آیا۔ اس نے خاص طور پر ملک معظم کے متعلق استفسار کیا اور مزاج کا حال پوچھا۔ برطانوی قوم کی پرتعظیم الفاظ میں تعریف کی اور کہا کہ جب تک ہم باہم دوست بنے رہیں گے یورپ کے امن و امان میں کوئی خلل واقع نہیں ہو سکتا۔ میں نے عرض کیا کہ انقلاب فرانس کے بعد جو مصائب رونما ہوئیں ان سے ایک عام اضطراب پیدا ہو گیا۔ تمام ہمسایہ اقوام کو ڈر لگا ہوا تھا کہ اس کا اثر ان تک پہنچ جائے گا۔ جب جمیع بنی نوع انسان اور خصوصاً اہل فرانس کی خوشحالی کے لیے آپ کی ذات اپنی موجودہ شان سے جلوہ گر ہوئی تو ہم لوگ آپ کو محض ایک سورما اور فاتح سمجھتے رہے لیکن جو خوش انتظامی اور امن و سکون اب ملک کو نصیب ہوا ہے اس سے ہمارے دلوں میں آپ کی سیاست دانی اور قانون سازی کی عظمت متمکن ہو گئی ہے اور اب ہمیں فرانس کے ساتھ موالات کرنے اور تعلقات رکھنے میں کسی قسم کا اندیشہ نہیں رہا۔" شام کے وقت آتشبازی چھوٹی اور شہر میں روشنی ہوئی۔ تماشائیوں کا مجمع بافراط تھا۔ سڑکوں پر سے جب کارنوالس کی سواری گزری تو کلماتِ تعظیم و توقیر کے سوا اور کسی طرح کی آوازیں نہیں سنی گئیں۔ چند روز کے بعد جب وہ ایک رات کو ناچ گھر گیا تو عام گرم جوشی کے ساتھ اس کا خیر مقدم کیا گیا۔

لارڈ کارنوالس کو برِ اعظم (یورپ) کے ابتدائی سفروں میں فرانسیسی زبان پر یقیناً اچھا خاصا عبور حاصل ہوگیا تھا۔ ایک زمانے میں بلاشبہ اُسے توقع تھی کہ کانسل اول کی خدمت میں متعدد مرتبہ باریابی کے مواقع ملیں گے لیکن بعض وجوہ سے یہ صورت پوری طرح ممکن العمل نہ ہوسکی اور انگریز سفیر کو ساری گفت وشنید کے لیے جوزف بوناپارٹ کے پاس بھیجا گیا جو ایک خوش مزاج شخص تھا مگر زیادہ لائق نہ تھا۔ ان دو مدبّروں نے پیرس میں مجلس مشاورت کا آغاز کیا لیکن بہت جلد انھوں نے ایمینز کو اپنا مستقر بنالیا۔ کارنوالس، فرانسیسی دارالحکومت سے رخصت ہونے کے قبل کسی تیسرے شخص کی موجودگی کے بغیر ایک بار اور بوناپارٹ سے ہم کلامی کا شرف حاصل کرسکا۔ یہ مکالمہ نصف گھنٹے تک رہا۔ بوناپارٹ کی خواہشات اور خیالات کارنوالس نے ایک اور خط موسومہ لارڈ ہاکس بری میں حسب ذیل ظاہر کیے ہیں:-

"گفتگو کے آغاز پر اس نے امن ومصالحت کے متعلق اپنی دلی آرزو کا یقین دلایا اور علانیہ طور پر اس بات کا اظہار کیا کہ ملک فرانس کو اس چیز کی سخت ضرورت ہے کیونکہ اس کی تجارت بالکل معدوم ہوچکی ہے اور مالی ذرایع بڑی حد تک کمزور ہوچکے ہیں۔ پھر وہ کہنے لگا "آپ دیکھیے، میں کوئی بات نہیں چھپاتا ہوں اور دل کھول کے صاف صاف کہہ رہا ہوں"۔ اس کی صرف یہ خواہش تھی کہ صلح نامے کی شرائط کی ترتیب کے وقت ابتدائی دفعات کے مفہوم اور منشا کی پوری پوری پابندی کی جائے اور چونکہ میں موسیو جوزف بوناپارٹ کو ایک انصاف پسند اور صادق گو انسان سمجھتا ہوں اس لیے اس امر پر کہ تمام معاملات جلد سلجھ جائیں گے اُسے کوئی شبہ نہ ہوا۔"

اس قابل یادگار ملاقات کا باقی وقت خاص خاص تصفیہ طلب مسائل میں صرف ہوا۔ وہ مسائل یہ تھے: فرانسیسی بحری بیڑے کا سینٹ ڈومن گو کی جانب روانہ ہونا اور اس مہم کے خلاف ہمارے اعتراضات سے کانسل اول کو رنج پہنچنا، صوبجاتِ متحدہ (ہالینڈ) کے گورنر اور خاندانِ آرنج کو تاوان دینے کا مسئلہ، شاہ سارڈینیا کے متعلق ایک مجوزہ انتظام کا معاملہ، جزیرۂ مالٹا میں روسی فوج کے داخلے کی عجیب وغریب تجویز جسے بوناپارٹ بہ نظر انصاف فرانس وانگلستان کے لیے یکساں طور پر خلل انداز وضرر رساں سمجھتا تھا، جزیرۂ ٹوباگو کی حوالگی، اسیرانِ جنگ

کی خوراکی کے مصارف اور کانسل اول کی یہ خواہش کہ ہندوستانی نواب سے گفت وشنید کرکے پانڈیچری کے آس پاس چند مربع میل اراضی حاصل کی جائے۔ اس آخری تجویز کے متعلق کارنوالس نے فوراً جواب دیا کہ اس مقام پر کوئی نواب نہیں جس سے اہل فرانس گفتگو کرسکیں اور وہاں اس قسم کی ملکیت کا اضافہ دونوں قوموں کو ضرور برانگیختہ کردے گا۔ بوناپارٹ نے جواب دیا "آپ بہت ترش رُو ہیں" پھر اس نے یہ بھی کہا کہ اگر ایک دوسرے کے ملک سے خطرناک و مشتبہ اشخاص کے اخراج کے لیے آپس میں کوئی معاہدہ ہوسکے تو وہ متحدہ صوبہ جات آئرلینڈ کے باشندوں کو اپنے ملک سے نکال دینے پر بالکل آمادہ ہے

اس طرح یہ ملاقات ختم ہوئی۔ بعد ازاں اس گفتگو کا سلسلہ ایمینز میں جوزف بوناپارٹ اور کارنوالس کے مابین پھر شروع ہوا اور دسمبر ۱۸۰۱ء سے لے کر جنوری و فروری ۱۸۰۲ء تک برابر جاری رہا۔ اس مقام پر مراسلت کے اہم و پیچیدہ پہلو سے گریز کرتے ہوئے لارڈ برُوم نے ایک دلچسپ خط اپنے والد کے دوست جنرل ہوپ کو لکھا ہے۔ وہ (یعنی لارڈ برُوم) صبح کے وقت پیرس کے نظاروں کی سیر میں مشغول رہتا اور شب کو اس کا وقت چالیس چالیس اور پچاس پچاس افراد کے ساتھ ضیافت میں صرف ہوتا تھا۔ ان لوگوں کے ملبوسات عطائیوں کے اور عادات و اطوار سفاکوں کے سے تھے۔ اس قسم کے جلسوں میں اس نے خواتین کا ایک انوکھا مجمع دیکھا تھا جس میں تیلیراں کی محبوبہ بھی تھی۔ اس کا نام وہ میڈم گرانڈ بتاتا ہے اور یہ بے شبہ ایم لی گرانڈ کی زوجۂ مطلقہ تھی جو کلکتے کی صدر عدالت میں فلپ فرانسس سے متعلق ایک مشہور و معروف مقدمے میں روشناس ہو چکا تھا۔ ہر اینگلو انڈین جانتا ہے کہ عدالتِ مذکور کا ایک جج اپنے ہم جلیس چیف جسٹس سر ایلیجا امپی سے جب کہ موخر الذکر نے فرانسس پر پچاس ہزار روپیے کا ہرجانہ عاید کیا تعجب کے ساتھ "استنے سکے" برادر امپی استنے سکے" کہہ کر چلا اٹھا تھا۔

لارڈ برُوم کے دل میں مجلس وضع قوانین کے اجلاسوں سے کوئی قابل احترام جذبات پیدا نہ ہوئے۔ کٹھ پتلی کا کوئی تماشا اس سے زیادہ مضحکہ خیز نہیں ہو سکتا۔ ایک شخص عطائی کے لباس میں ملبوس ہو کر نمودار ہوا جس کے متعلق قدرتاً یہ گمان ہوتا تھا کہ رسی تان کر کرتب دکھانے والا ہے مگر معلوم ہوا کہ وہ باشندۂ شہر شیتال نامی

وزیر داخلہ ہے۔ یہ شخص جو ایک معمولی دوا فروش کا بیٹا تھا ایک ماہر کیمیا مشہور ہو گیا تھا اور اُن لوگوں میں اس کا شمار تھا جنہوں نے اول اول چقندر کی جڑ سے شکر بنانے کے بڑے بڑے کارخانے کھولے تھے۔ پھر گفت و شنید کا سلسلہ معمولی طور پر جاری ہوا۔ کارنوالس کا بیان ہے کہ جوزف بوناپارٹ آئندہ چل کر ایک نہایت خوش فہم، حیادار اور شریف انسان ثابت ہوا جو سیاسی کارستانیوں سے بالکل پاک تھا اور اپنے تمام کاروبار میں صفائی اور خندہ پیشانی سے کام لیتا تھا۔" لیڈی اسپنسر کی اس درخواست پر کہ اس کی چند کاچ کی اشیا بلا ادائے محصول روانہ ہو جائیں کارنوالس نے موقع پاکر جواب دیا کہ اگرچہ وہ ہر قسم کی ناجائز ترسیل کا مخالف ہے تاہم یہ خیال رکھے گا کہ واپسی میں اس کے ذاتی سامان کے ساتھ اشیائے مذکور بھی چلی آئیں۔ کرنل نائٹ انگلیل نے جو برطانوی سفیر کے ہمراہیوں میں سے تھا اپنے ایک خط بنام راس میں ایمینز کی صحبتوں کا ایک دلچسپ خاکہ کھینچا ہے۔ اس کے نزدیک ایمینز میں ذکور کا غالب حصہ بلا مبالغہ بدمعاش کہلانے کا مستحق تھا اور اسی مناسبت سے طبقۂ اناث میں اکثر ان سے بدتر تھیں۔

ان میں جوزف بوناپارٹ سب سے زیادہ نیک تھا اگرچہ اس کے اخلاق بھی شریفوں کے سے نہ تھے۔ اس کی بیوی ایک کم ظرف پست قد عورت تھی جو محاسنِ لطیف کے ادّعات سے بالکل بے نیاز تھی۔ وہ اپنی شادی سے قبل کلیری مشہور تھی اور ۱۸۴۵ء تک بقید حیات رہی۔ پریفکٹ یعنی اعلیٰ عہدہ دار انتظامی کے لیے وہی لقب استعمال کیا جاتا تھا جو چارلس سرفیس کے احباب میں سے ایک نے سر آلیور کی تصویر کو دیکھ کر اُسے عطا کیا تھا۔ یہ شخص قوم پرست جماعت کا رُکن رہا تھا اور اس نے بادشاہ کے قتل کی تائید میں رائے دی تھی۔ کارنوالس حسب توقع ان تمام مقامی سربرآوردہ لوگوں سے بہت اخلاق کے ساتھ پیش آیا۔ ہر ہفتے میں دو مرتبہ اپنی رسم کلکتہ کے بموجب وہ بڑی بڑی ضیافتیں کرتا تھا اور اگر موسم مانع نہ ہوتا یا اس کی ٹانگوں میں آماس کی تکلیف نہ ہوتی جس کی شکایت پہلے ہی ڈبلن سے اس کے بعض خطوط میں ہو چکی تھی تو وہ روزانہ گھوڑے کی سواری کرتا تھا۔

جنوری، فروری اور بیشتر ایام مارچ ۱۸۰۲ء میں شرائطِ صلح نامۂ مجوزہ کی

چھان بین کی گئی اور ان کی تشریح و ترتیب میں بال کی کھال نکالی جاتی رہی حتیٰ کہ کارنوالس کا پیمانۂ صبر تقریباً لبریز ہو گیا۔ وہ لکھتا ہے کہ "اس قوم سے کیا امید ہو سکتی ہے جو فطری طور پر مغرور اور گستاخ واقع ہوئی ہے دراں حالیکہ یورپ کی تمام طاقتیں اس کے قدموں پر جھک کر گذشتہ افعال کے لیے معافی کی خواستگار اور آیندہ نظر عنایت کی امیدوار ہو رہی ہیں اور صرف ایک چھوٹا سا جزیرہ باقی رہ گیا ہے لیکن وہ بھی بہ مشکل تمام اور سخت مصائب کے ساتھ کم از کم بری جانب سے اپنی حفاظت کا انتظام کر رہا ہے"۔

کئی مرتبہ کارنوالس کو ایک خوں ریز جنگ کے دوبارہ شروع ہو جانے کا خطرہ یا بصورت دیگر اپنے ملک کی ذلت و توہین کا اندیشہ لاحق ہوا۔ اس کی یہ خواہش تھی کہ "کاش وہ پھر امریکہ کے تاریک جنگلوں میں مقام رسد سے دو سو میل کے فاصلے پر یا دریائے کاویری کے کنارے ہوتا جہاں اپنے بھاری توپ خانے کو استعمال کرنے یا اسے واپس لے جانے کے مواقع پیش نہ آتے"۔ لیکن یہ تمام مشکلات بالآخر کسی نہ کسی طرح حل ہو گئیں۔ شہزادۂ آرنج کی تائید میں تجاویز (باب عالی (ترکی) کے متعلق شرائط، مالٹا اور پرتگال کی حیثیت کا تعین اور بعض دیگر مصالح و مراعات سب امور قطعی طور پر طے ہو گئے۔ معاہدۂ صلح تکمیل پا گیا اور اعلانِ صلح پر ۲۵ مارچ ۱۸۰۲ء کو دستخط ہو گئے۔ صلح نامے پر چند روز کے بعد مہریں کی گئیں۔ ستتر برس سے زاید مدت کے بعد ایک اور برطانوی مدبر نے جن جذبات کا اظہار کیا تھا تقریباً انھیں کی پیش بینی کے ساتھ کارنوالس کو امید بندھ گئی تھی کہ "یہ صلح ملک کے لیے باعث ننگ نہ ہوگی اور اس سے آیندہ حفاظت و سلامتی کی توقع اسی معقول حد تک ہو سکتی ہے جس کی اجازت یورپ کے موجودہ غیر معمولی حالات دے سکتے ہیں"۔

"مراسلاتِ کارنوالس" کا مرتب لکھتا ہے کہ جس میز پر اس صلح نامے کے دستخط ثبت کیے گئے تھے وہ اب بھی ایمینز کے دار البلد میں محفوظ ہے۔ کمرے کے ایک سرے پر سفیروں اور ان کے ساتھیوں کی ایک قدِ آدم تصویر موجود ہے۔ کارنوالس کی تصویر غیر مشابہ تو نہیں ہے مگر

اس کا رنگ پھیکا پڑ گیا ہے۔ تصویر میں عقب کی جانب ایک انگریز افسر فرانسیسی جماعت کے ایک شخص سے گرم جوشی کے ساتھ معانقہ کر رہا ہے۔

دسواں باب

ہندوستان کو مراجعت، حکمت عملی اور وفات

انگلینڈ سے اپنی واپسی پر کارنوالس نے مسئلہ انتخابات میں دلچسپی کا کچھ سامان دیکھا۔ اس کے خطوط لطیف پیرائے میں سیاسی امور سے متعلق اس زمانے کے انتظامی طریق کار کا نقشہ کھینچتے ہیں۔ ضلع سفوک کے لیے انتخاب ہونے والا تھا اور یہ امید کرنے کی کافی وجوہ تھیں کہ انتخاب میں کامل ترین اتفاق آرا ہوگا۔ اس انتخاب کے معاملے پر نیو مارکٹ کی گھڑ دوڑ کا سوال غالب آگیا اور نتیجۃً اسے تین روز کے لیے ملتوی کر دیا گیا۔ لیکن آئی کے حلقے کے لیے وورگن کے انتخاب کے بارے میں کسی قدر زیادہ جوش و خروش تھا۔ کارنوالس نے احتیاط کے ساتھ یہ بیان کیا ہے کہ اس کی جماعت نے نہ تو رشوت دی اور نہ ایسا طریقہ اختیار کیا جس سے کوئی حلقہ عملاً زیر اثر آجائے اور یہ کہ خاموش رائے دہندوں کا چار اور ایک کی نسبت سے غلبہ آرا حاصل کیا گیا۔ اس شمار میں وہ لوگ داخل نہیں ہیں جو مفلوک الحال تھے یا قحط سالی کے زمانے میں تخفیف شدہ قیمت پر ماکولات خریدتے تھے۔ الغرض انتخابات اطمینان بخش طور پر اس طرح انجام پذیر ہوئے کہ خاندان کارنوالس کے دو امیدواروں کو نشستیں مل گئیں جن میں سے ہر ایک نے ایک سو چودہ رائیں حاصل کیں اور مخالفین کو صرف پندرہ فی کس ملیں۔

نومبر ۱۸۰۱ء میں کارنوالس لکھتا ہے "میں اب بھی شکار میں دن بھر کی تکان برداشت کرنے کے قابل ہوں مگر میرا خیال ہے کہ میں نشانہ اندازی میں ماہر کہلانے کا مستحق نہیں ہو سکتا تاہم شکار کے مشغلے میں مجھے دلچسپی رہتی ہے اور اس سے ورزش کی رغبت پیدا ہوتی ہے جسے میں مفید سمجھتا ہوں۔" معاملاتِ ہند کی جانب پھر اس کی توجہ معطوف کی گئی۔ اُس سے اس تجویز کے متعلق مشورہ طلب کیا گیا کہ آیا جوناتھن ڈنکن کو جس نے صوبۂ بنارس میں کامیابی کے ساتھ حکومت کی تھی اور جو اس وقت بمبئی کا گورنر تھا بنگال کی مجلسِ اعلیٰ میں جگہ دے کر اُسے تمام محکمۂ مال کا صدر بنا دیا جائے یا نہیں۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ معلوم ہوتا ہے کہ اُس سے مخفی طور پر یہ استفسار بھی کیا گیا کہ وہ دوبارہ آئرلینڈ کو بہ حیثیت سپہ سالارِ اعظم جانا پسند کرے گا یا نہیں۔ اس استفسار کا کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا اور نہ سرکاری کاغذات میں اس عہدے کے مکرر پیش ہونے کا کوئی پتہ چلتا ہے۔

اس کے بعد وہ مشہور مصور ہاپنر کی صحبت میں بیٹھتا رہا اور اس طرح چند مہینے گزر گئے۔ لیکن آیندہ وہ سلطنت کی مزید خدمت کرنے پر بالکل آمادہ تھا اور کلفورڈ کی دیہی مصروفیتیں اور مسرتیں بھی اب اُسے گراں معلوم ہونے لگی تھیں۔ بےکار اور بلا مقصد خاموش بیٹھے رہنا اور ہاتھ میں ہتیار کے بغیر اپنے ملک کے خطرات کا مقابلہ کرنے کی فکر میں پڑے رہنا جس کا نتیجہ محض صفر ہو یہ عمل ایک ایسے شخص کے لیے جس کی سابق زندگی مفید طریقے پر مستعدی میں کٹی ہو خوش آیند نہ تھا۔ ایک خط محررہ ستمبر ۱۸۰۳ء میں وہ کہتا ہے کہ آئرلینڈ کو دوبارہ نہ جانے میں اس کا کوئی قصور نہ تھا۔ وہ وہاں کی سیاسیات میں دخیل نہ ہوتا اور لارڈ لفٹننٹ کے بالکل زیرِ حکم رہتا مگر واقعات کی رفتار سے اُسے اپنے متعلق یہی گمان لاحق رہا کہ وہ چپ چاپ طاق پر رکھ دیا گیا ہے۔ بایں ہمہ لوگ اب بھی ٹور کا کانسٹیبل تصور کر کے متعدد قسم کی درخواستوں سے جن میں بعض یقیناً مہمل تھیں اُسے سخت پریشان کرتے رہے اور خود بادشاہ آئرلینڈ کو اس کی واپسی کا خواہاں تھا۔

۱۸۰۴ء کے تقریباً اختتام پر کارنوالس نے لارڈ ولزلی کے سیاسی مسلکِ ہند کی کامیابی کے بارے میں کچھ تردد کا اظہار کیا جو نتیجے کے اعتبار سے صحیح ثابت نہ ہوا۔ غالباً انھیں خیالات کے باعث اور وزارت یا مجلسِ نظما یا دونوں کے اظہارِ خواہش کی

بنا پر وہ ہندوستان کو اپنی مراجعت کے متعلق سنجیدگی کے ساتھ غور کرنے لگا۔ کچھ مدت سے مجلس نظما، لارڈ ولزلی کی جرأت آمیز خارجی حکمت عملی سے سہمی ہوئی تھی۔ مجلس نگراں میں کیسل رے خوف زدہ ہوگیا تھا اور پیٹ پر بھی اس کا اثر ہوا اور اس نے عجلت میں یہ رائے دے دی کہ گورنر جنرل کا طرز عمل غیر دانشمندانہ اور ناجایز ہے۔ پس کسی قدر مزید غور و خوض کے بعد کارنوالس نے دوبارہ گورنر جنرل کی خدمت قبول کرنے کا تہیہ کر لیا۔ یہ قرار پایا کہ وہ سرما میں مجلس نگراں کے صدر سے سیاسیات ہند پر بحث کرے اور جنوب مغرب کی موسمی ہواؤں کے اختتام پر بنگال پہنچ جانے کا انتظام کرے۔

اس وقت اس کی عمر کا سٹھواں سال شروع ہو رہا تھا۔ موجودہ نسل کے لوگوں کو جو ہندوستان کی آب و ہوا میں صحت و تندرستی کے مواقع کا اندازہ اپنے اپنے قویٰ کی مناسبت سے کرنے کے عادی ہیں یہ بات عجیب معلوم ہوتی ہے کہ کارنوالس کے معاملے میں طبیبوں کی رائے نہ لی گئی۔ پیروں کا آماس اور جسمانی ضعف کا تقاضا کچھ مدت سے صاف ظاہر ہو چکا تھا۔ اس نے خود اس مہم کو "ایک تہورانہ فعل" سے تعبیر کیا ہے۔ ہندوستان میں کسی انگریز مدبر نے آج تک اس قدر پیرانہ سالی میں منصب قبول نہیں کیا۔ لارڈ ہارڈنگ انسٹھ سال کی عمر میں گورنر جنرل کے عہدے پر فایز ہوا۔ لارڈ لارنس بنگال میں اپنی طویل سابق ملازمت دیوانی کے بعد جب چھ سال آرام سے انگلستان میں بسر کر چکا تو چوّن سال کی عمر میں ویسرائے ہوا۔ دیگر مدبرین مثلاً ولزلی اور ڈلہوزی تو اپنی عمر کے پینتیسویں یا چھتیسویں سال ہی میں اس خدمت پر مامور ہوئے۔ لیکن کارنوالس کے نزدیک فرض منصبی ہر چیز سے بالاتر تھا۔ اس نے خود اس اعلیٰ عہدے کی خواہش نہیں کی تھی مگر اس سے اپنے میدان سیاست کے ایک رفیق کار اور قدیم مربیوں یعنی نظما کی مشفقہ درخواست کو رد کرتے نہ بن پڑا۔

ڈاکٹر ڈِک نے جو ہندوستان میں کارنوالس کے عہد سابق میں اس کا طبی مشیر رہ چکا تھا اس مرتبہ بھی اسی حیثیت سے اپنی خدمات پیش کیں مگر کارنوالس کو خیال ہوا کہ اس کا اپنے طبیب کی ہمراہی میں جہاز "میڈوسا فری گیٹ" پر سفر کرنا مضحکہ خیز ہوگا۔ فی زمانا ہر ویسرائے اپنے ساتھی افسر کی حیثیت سے ایک طبیب مدت تک رکھ چکا ہے بعینہ جیسے اس کی معیت میں ایک معتمد خصوصی، ایک معتمد فوج اور چار

یا زیادہ مصاحب ہوتے ہیں۔ جوں ہی اس کی مجوزہ روانگی کی خبر مشہور ہوئی اس پر فضول اور مہمل عرضداشتوں کی بوچھار ہونے لگی۔ اگر کمپنی چالیس بڑے بڑے جہاز کرائے پر روانہ کرتی تو ان کے ذریعے روزگار کے ان متلاشی اشخاص کی نصف تعداد بھی نہ جا سکتی۔ کارنوالس نے ۱۸۰۵ء کے موسم بہار میں انگلستان کو خیرباد کہا اور مدراس سے ہوتے ہوئے اسی سال ۲۹ر جولائی کو کلکتہ پہنچ گیا۔

۱۷۹۳ء کے موسم خزاں میں اس کی ہندوستان سے روانگی کے وقت سے اس ملک میں واقعات حیرت انگیز سرعت کے ساتھ یکے بعد دیگرے رونما ہوتے رہے۔ یہ امر اب تقریباً عام طور پر مسلّم ہے کہ اس کے قریبی جانشین کی نرم اور صلح آمیز حکمت عملی جس کا علانیہ مقصد مختلف ہندوستانی ریاستوں کے مابین محض توازن قوت کے ذریعے امن و امان قائم رکھنا تھا اپنے اغراض میں ناکام ہو چکی تھی اور ملک و رفتار زمانہ کے لحاظ سے بے محل تھی۔ ولزلی اور اس کے بھائی کی آمد پر سارا ماحول بدل گیا تھا چھ سال کی مدت میں برطانوی افواج جن کے متعلق ایک بھائی مجلس اعلیٰ میں ہدایتیں دیا کرتا تھا اور دوسرا میدان رزم میں انکی رہنمائی کرتا تھا ہر مقام پر مظفر و منصور ہوئیں۔ ٹیپو سلطان کا دار الحکومت سرنگوں ہو گیا۔ حیدرآباد کی فرانسیسی پلٹنیں برخاست کر دی گئیں اور نظام حیدرآباد کو بجائے رقیب یا نیم حلیف کے ایک وفادار دوست بنا لیا گیا۔ مرہٹہ حکومتیں جو سلطنت مغلیہ کی شکست و ریخت کے بعد سر اٹھائی تھیں منتشر کر دی گئیں۔ احاطۂ مدراس کی حدود میں وسعت ہوئی۔ ہم نے وہ تمام حصہ حاصل کر لیا جو اب شمال مغربی صوبہ جاتِ ہند کے نام سے مشہور ہے۔ پیشوا ہمارا محکوم ہو گیا۔ ہولکر کے مقابلے میں مانسن کی تباہی خیز پسپائی اور بھرت پور کی تسخیر میں لیک کی ناکامی جس کا طعنہ مسلسل برسوں تک ہندوستان کے بازاروں میں اور مفسدہ پرداز جماعتوں کے درمیان ہمیں دیا جاتا رہا یہی دو مہمیں ایسی تھیں جن میں شاندار فتح نصیب نہ ہوئی۔ یہ ممکن نہ تھا کہ برطانوی ہند کے مالی و فوجی ذرائع پر مصارف کثیر کا بار ڈالے بغیر زبردست اتحاد قائم ہو سکے اور جب ہزیمت اٹھانے کے باوجود سندھیا جنگی کارروائیوں کو از سر نو تازہ کرنے کا خواہشمند تھا اور ہولکر کبھی مغلوب ہی نہ ہوا تھا تو اس موقع پر کارنوالس وطن (انگلستان) کے احکام ساتھ لیے آدھمکا تا کہ وہ جنگ کی بجائے مصالحت آمیز

گفت وشنید اور سیاسی معاملہ فہمی سے کام لے اور ہندوستان میں اپنی زبردست حکومت کی اس پُر عظمت حیثیت کے قیام سے باز آئے جو کمپنی کے لیے ہیسٹنگز کی پیش گوئی کے بموجب ولزلی نے شکوک و تذبذبات کے باوجود حاصل کر لی۔

اپنی آمد کے بعد سب سے پہلا کام جو کارنوالس نے کیا وہ صوبہ جات بالائی کے معائنے کا انتظام تھا۔ لارڈ لیک کو ایک خط میں اس نے تنبیہ کیا کہ ہر قسم کی جارحانہ کارروائی اور جدید فوجی نقل و حرکت موقوف کی جائے اور مجلس راز کو مطلع کیا کہ شمالی ہند پہنچنے کے بعد اسے توقع ہے کہ وہ گفت وشنید کے ذریعے اور کسی طرح کی کسر شان کے بغیر ایک ایسی جنگ کا تصفیہ کرا دے گا جس میں بڑی سی بڑی فتح یابی کوئی قابل قدر منفعت نہیں پہنچا سکتی اور جس کے مصارف کے بار سے انتہائی مشکلات کا اندیشہ ہے۔ مجلس نظما کو اس نے وضاحت سے لکھا کہ اُسے مجبوراً چین کو خزانہ لے جانے والے جہاز روک لینے پڑیں گے اور اپنی حکومت کے کاروبار جاری رکھنے کے لیے حکومت مدراس سے پانچ لاکھ روپیے کا مطالبہ کرنا ہوگا۔ اُسے بالاستیعاب اس امر کا یقین ہو گیا تھا کہ معاہداتِ معاونت اصولاً غلط ہیں اور ان سے حکومت ہند پر خواہ مخواہ دیسی حلیفوں اور ریاستوں کا بار پڑتا ہے۔ ہولکر اور سندھیا کے خلاف معرکہ آرائی سے اُسے کسی فائدے کی توقع نہ تھی کیونکہ اُن کی کوئی مملکت نہ تھی جو اُن کے قبضے سے نکال لی جاتی۔ اس مسئلے میں اپنے یقین واثق کی بنا پر اُسے یہ فکر لاحق ہوئی کہ بھرت پور کے جاٹ سردار، مچھیری کے راجہ اور گوہڈ کے رانا سے جملہ تعلقات منقطع کر لیے جائیں۔ موخرالذکر ریاست کے متعلق بہت کچھ مراسلت ہوئی۔ اس موقع پر کارنوالس کے حافظے اور اس کی عادات و خصائل کو پیش نظر رکھتے ہوئے خود اسی کے الفاظ میں اس کے عین مسلک سیاسی کا اظہار مناسب معلوم ہوتا ہے جس پر وہ عمل پیرا ہونا چاہتا تھا اور جو اینگلو انڈین مورخین کا کم و بیش ہدفِ ملامت بنا رہا ہے۔ اپنی وفات سے تقریباً دو ہفتے قبل لارڈ لیک کے نام ایک خط میں وہ اپنے مطالب و مقاصد تفصیل سے یوں بیان کرتا ہے:-

۱۔ گوالیار اور گوہڈ کے علاقے سندھیا کو واپس دے دیے جائیں۔

۲۔ حسب شرایط صلح، دھول پور، باڑی اور راج گری کے اضلاع سندھیا کے

حوالے کیے جائیں اور زمانۂ صلح سے ان اضلاع کی آمدنی کا حساب بھی اُسے دیا جائے۔
مجھے معلوم ہے کہ اسے ہماری بے جا رعایت پر محمول نہ کیا جائے گا لیکن میں معاہدے کی اس شرط سے بھی باز رہنے پر راضی ہوں جس کی رُو سے سندھیا کو ان اضلاع میں فوج رکھنے کی ممانعت کی گئی ہے۔ میرا یہ قصد ایک ایسا امر ہے جو میرے خیال میں سردار موصوف کے نہایت پسند خاطر ہوگا۔

۳۔ جے نگر کے خراج کا جو میری دانست میں سالانہ تین لاکھ روپیے کی رقم ہے قطعی طور پر دوبارہ اجرا عمل میں آنا چاہیے۔

۴۔ سندھیا سے مطالبہ کیا جائے کہ وہ وظیفوں کی منسوخی اور دو آبے میں جاگیروں کی ضبطی کے متعلق حسب قرارداد معاہدۂ صلح اپنی رضامندی کا اظہار کر دے۔

۵۔ سندھیا سے مطالبہ کیا جائے کہ وہ اپنی پنشن کی بقایا کے بارے میں اپنے دعوے سے دست بردار ہو جائے۔

۶۔ رزیڈنسی کی لوٹ کھسوٹ میں جو سرکاری و غیر سرکاری نقصانات ہوئے ہیں اُن کی تلافی کا مطالبہ کیا جائے۔

۷۔ گوہڈ کے رانا کے لیے سندھیا سے ڈھائی تین لاکھ روپیے کی حد تک ایک علاقے کا مطالبہ کیا جائے جو میرے نزدیک بہت کافی ہے۔

آگے چل کر وہ کہتا ہے کہ اس کا منشا یہ نہیں ہے کہ سندھیا کے کوئی ایسی چیز حوالے کر دی جائے جس پر قابض رہنے میں کوئی فائدہ ہو اور یہ بھی سندھیا کے ذہن نشین ہو جانا چاہیے کہ برطانوی حکومت گوہڈ یا گوالیار پر اُس کے حقوق کو تسلیم نہیں کرتی۔ ہماری طرف سے ان مقامات کی حوالگی ایک ایسا فعل ہے جس میں قطعاً ہماری کوئی غرض مضمر نہیں اور یہ کہ وہ سندھیا کو اپنا حلیف سمجھ کر ہولکر کے خلاف اس کی جنگی کارروائیوں میں شریک ہوا تھا۔ اس نے اس پر بھی آمادگی ظاہر کی کہ برطانوی افواج نے ہولکر کا جو علاقہ فتح کیا ہے وہ اُسے واپس کر دیا جائے۔

پھر وہ اس امر کا اظہار کرتا ہے کہ اس کا مقصد یہ ہے کہ برطانوی حکومت کی انصاف پسندی اور میانہ روی کے متعلق دیسی ریاستوں کے اس اعتماد کو جو گذشتہ واقعات کی بنا پر بہت زیادہ متزلزل ہو چکا ہے اور جو برطانوی مقبوضات کی حفاظت اور امن و امان

کے لیے ضروری ہے دوبارہ قایم کیا جائے۔ بعدازاں اس نے گوہڈ کے رانا کے دعووں کے متعلق تقریباً تین صفحے تحریر کیے ہیں۔ اس سردار کی حیثیت عجیب وغریب تھی اور ایک نہایت معتبر ذریعے سے اس کی حالت حسب ذیل بیان کی جاتی ہے:

گوہڈ کے حاکم مسمی امباجی انگلیا نے ۱۸۰۳ء میں سندھیا کے ساتھ اپنی وفاشعاری کو ترک کردیا اور اس مفاہمت پر برطانوی افواج سے مل گیا کہ وہ گوالیار کا قلعہ اور بعض اضلاع ان کے حوالے کردے جن کی نسبت برطانوی حکومت کا قصد تھا کہ رانا کو عطا کیے جائیں۔ اس سے تیس سال قبل وارن ہیسٹنگز رانا سے ایک معاہدہ کرچکا تھا اور رانا اور انگریزوں کی متحدہ افواج نے اس زمانے میں گوالیار پر دوبارہ قبضہ کرلیا تھا جسے سابق میں سندھیا لے چکا تھا۔ بعدازاں اس الزام میں رانا کا ساتھ چھوڑ دیا گیا کہ وہ فریب و دغا کا مرتکب ہوا ہے اور اس کے بعد سندھیا نے گوالیار اور گوہڈ پر پھر قبضہ کرلیا۔ موخرالذکر مقام سندھیا کے موجودہ دارالحکومت گوالیار سے تقریباً اٹھائیس میل کے فاصلے پر واقع ہے اور جاٹ سرداروں نے اٹھارویں صدی کے شروع میں متعدد دیگر لوگوں کی مانند زمانے کی بدامنی سے فائدہ اٹھا کر وہاں اپنے قدم جما لیے تھے۔

۱۸۰۳ء کی کامیاب مہم کے اختتام پر سندھیا اور گوہڈ کی حالت یہ تھی کہ سندھیا معاہدۂ سرجی ارجن گاؤں کی رُو سے اپنے زیردست سرداروں کے بارے میں جن سے برطانوی حکومت معاہدے کرچکی تھی تمام دعاوی سے دست بردار ہونے پر راضی ہوگیا تھا۔ یہ صاف ظاہر ہے کہ گوہڈ کا رانا سرداران موصوف میں سے ایک تھا مگر معاہدۂ صلح کی عبارت اور رانا کے حال کے طرزعمل سے گرفت کا موقع پاکر سندھیا نے یہ حجت پیش کی کہ محولِ بالا معاہدات میں جن کا احترام مجھ پر لازم آتا ہے گوہڈ کا رانا شامل نہیں سمجھا جاسکتا کیوں کہ اُس کے دعاوی خارج از بحث ہوچکے ہیں اور اس کے علاقہ جات تیس برس سے میرے قبضے میں ہیں۔ اس کا علانیہ جواب یہی ہوسکتا تھا کہ حال کی فتوح اور لارڈ ولزلی کے جُدا معاہدات نے جو ۱۸۰۳ء و ۱۸۰۴ء میں رانا کے ساتھ طے پائے تھے ان کی حیثیتیں بدل دی ہیں اور ہماری سرپرستی میں رانا کے قدیم حقوق ومطالبات پھر قایم کردیے[1]

[1] ٹرسیٔ ایچیسن کے معاہدات، جلد چہارم۔

ہیں لیکن کارنوالس پر ملک میں کامل امن کے قیام کی ضرورت کا اتنا گہرا اثر تھا اور انتظام مقبوضات، وصول یابی مالگزاری اور تحفظ امن کے متعلق وہ رانا کی نا اہلی کا اس درجے قائل تھا اور دیسی حکومت کی ناکامی پر خواہ مخواہ بالراس برطانوی عملداری قایم کرنے کی مصائب اور خطرات سے اس قدر ہراساں ہوا کہ وہ معاہدے کی اس شرط کو مسترد یا نظر انداز کرنے اور گوہڈ و گوالیار سندھیا کو واپس دینے پر بالکل آمادہ ہوگیا۔ یہ درست ہے کہ وہ رانا کے اس نقصان کی تلافی کرنا چاہتا تھا چنانچہ کارنوالس کی وفات کے بعد چند ہی ماہ کے اندر اس کے عارضی جانشین سر جان بارلو نے رانا کو دھول پور، باڑی اور راج گری کے اضلاع کی حکومت عطا کی۔ دریائے چمبل، دھول پور اور علاقہ سندھیا کے مابین حدِ فاصل مقرر ہوا۔ دھول پور کا راجہ کیرت سنگھ راجپوت راجوں میں سے شمار کیا جاتا ہے۔ یہ بڑی عمر تک زندہ رہا۔ ۱۸۳۶ء میں فوت ہوگیا اور اس کا جانشین ایک سردار ہوا جس نے ۱۸۵۷ء کے غدر میں برطانوی مفرورین کو پناہ دی اور وفادارانہ روش اختیار کی۔

اس ایک خاص شرط یعنی گوالیار دوبارہ مرہٹوں کے حوالے کرنے پر واقعی بہت کچھ کہا جا سکتا ہے لیکن ولزلی کی حکمت عملی کو کلیتہً اور فوراً پلٹ دینے پر بحث کی قطعاً گنجایش نہیں ہے۔ رانا کسی قدیم خاندان کی نمایندگی کا مدعی نہیں ہو سکتا تھا محض ایک زمیندار کی حیثیت سے ترقی کر کے وہ ایک سردار بن گیا تھا اور اسے گوہڈ کے نقصان کی تلافی میں دھول پور دے دیا گیا تھا۔ سندھیا کے افسروں کو جو وظیفے حکومت کی طرف سے ادا ہوتے تھے اور جن کی مقدار پندرہ لاکھ روپیے تھی گوالیار کی حوالگی کے بعد وہ سب موقوف کر دیے گئے مگر اس کے ساتھ ہی ساتھ دیگر رعایتوں سے کام لیا گیا جو مرہٹوں کے حق میں بہت مفید تھیں۔ ان کی تفصیل مندرجہ ذیل اجمالی خاکے سے بخوبی معلوم ہو جائے گی جو سر سی ایچیسن کے معاہدات و اقرار نامہ جات سے ماخوذ ہے۔

۲۳ نومبر ۱۸۰۵ء کو ایک صلح نامہ مکمل ہوا جس سے معاہدۂ سرجی ارجن گاؤں کی توثیق ہوگئی بجز ان ترمیمات کے جو آیندہ معاہدۂ ہذا کی رو سے کی جائیں۔ گوالیار اور گوہڈ سندھیا کے حوالے کیے گئے۔ سالانہ پندرہ لاکھ کے وظایف جو برطانوی حکومت سندھیا کے افسروں کو دیتی تھی منسوخ ہو گئے۔ دریائے چمبل کو سندھیا کے علاقے کی

شمالی سرحد قرار دیا گیا۔ ریاست بندی اور چمبل کے شمال اور کوٹا کے مشرق کی ساری ریاستوں سے خراج کی وصولیابی کے متعلق سندھیا کے جو حقوق تھے وہ سب کے سب مسترد ہو گئے۔ برطانوی اس شرط کے پابند بنائے گئے کہ وہ اودے پور، جودھپور کوٹا سے یا دیگر سرداران مالوہ و میواڑ سے جو سندھیا کے معاون ہیں معاہدات کرنے سے باز رہیں اور ان کے متعلق سندھیا کے انتظامات میں مداخلت نہ کریں۔ علاوہ بریں برطانوی حکومت کی جانب سے سندھیا کو سالانہ چار لاکھ کی پنشن، اس کی بیوی بیضہ بائی کو دو لاکھ کی اور بیٹی جمنا بائی کو ایک لاکھ کی جاگیر عطا کی گئی[1]۔

کارنوالس کی شخصیت، اس کے عادات و اطوار اور مقاصد و اصلاحات داخلی کی خواہ کتنی ہی تعریف کی جائے لیکن یہ ناممکن ہے کہ اس کی خارجی حکمت عملی کو مذموم نہ قرار دیا جائے جسے اس نے مرتب کیا اور جس کی تکمیل اس کے جانشین نے کی۔ "سندھیا ہماری طرف سے چشم پوشی اور منت پذیری کا خاص طور پر مستحق نہ تھا۔ وہ ہماری افواج سے دیدہ و دانستہ شکست کھا کر ہمارے علانیہ و خفیہ دشمنوں سے ساز باز کرتا رہا۔ مرہٹوں کی دست برد کا نشانہ بننے کے لیے غیور راجپوت راجوں کو چھوڑ دینا ایک ایسا فعل تھا جس پر لارڈ لیک نے لعن طعن کی اور جو برطانوی عظمت کے شایان شان نہ تھا۔ اسی طرح ہولکر کے ساتھ رعایتیں جو ہمارے کسی نیک سلوک کا مستحق نہ تھا اس کی ہوس غارت گری کے بڑھانے اور ہمارے خلاف توہین آمیز اور انتقامانہ روش اختیار کرنے میں ممد ہوئیں۔ ۱۸۰۵ء کی حکمت عملی کا ماحصل یہ تھا کہ آئندہ کئی سال تک ہم نے اپنی حدود سے باہر تمام ہندوستان کو ہولناک فتنہ و فساد آزادانہ لوٹ مار اور خوفناک تباہی کا منظر بننے کے لیے چھوڑ دیا حتیٰ کہ یہی آفات خود ہماری پاک اور محفوظ حدود پر نازل ہوئیں اور ان کی وجہ سے ہماری حکومت ایک گراں اور پرخطر جنگ میں مبتلا ہو گئی۔ اس کا نتیجہ بالآخر وہی ہوا جس کے قبول کرنے سے ہم اپنی نٹ کھٹی کے باعث اتنے زمانے تک انکار کرتے رہے یعنی یہ کہ ہندوستان کے تمام سرداروں اور ان کی ریاستوں پر اپنی سیادت کا اعلان کیا جائے[1]۔"

۱؎ جلد پنجم صفحہ ۲۰۰۔

اس حکمت عملی پر مورخین اور نقادانِ فن ہی معترض نہیں ہیں بلکہ مدبّرین اور ماہرین جنگ و سیاست مثلاً مل اور اس کا مبصر ایچ، ایچ، ولسن، تھارن ٹن لارڈ لیک اور سر جان میلکم سب اس کی مخالفت میں ہم زبان ہیں۔ اس کے مضرت رساں نتائج ظہور پذیر ہو گئے اور گم شدہ اقتدار کی تلافی دس برس تک نہ ہو سکی اور جب تک ایک گراں اور طویل جنگ کا خاتمہ نہ ہو لیا حکومت ہند کو وہ حیثیت حاصل نہ ہو سکی جو ہندوستان سے ولزلی کی روانگی کے وقت اُسے نصیب تھی۔ اس کمزور اور نامبارک حکمت عملی کا الزام ایک طرف کارنوالس اور بارلو اور دوسری طرف مجلس نظما اور مجلس نگراں کے مابین تقسیم ہونا چاہیے۔

اب خاتمے کا وقت نزدیک تھا۔ گورنر جنرل نے ۳۰ رجولائی کو اپنے عہدے کا جایزہ لیا تھا۔ مارکوئیس ولزلی ہندوستان سے ۲۹ راگست تک رخصت نہ ہوا تاکہ دونوں مدبّرین کو تبدیل خیالات کا کچھ موقع مل جائے اور تمام موجودہ و آیندہ طرزِ حکومت پر بحث ہو سکے۔ ۸ راگست کو کارنوالس بارک پور میں تھا اور تقریباً دو مہینے تک اس کی سرکاری کشتی دریائے گنگا کی دھار کے مقابلے میں جو بوجہ کثرت بارش طوفان خیز ہو گئی تھی صوبہ جات بالائی کی طرف آہستہ آہستہ چلتی رہی۔ اس تمام مدت میں وہ بلا ناغہ سرکاری کاغذات لکھتا یا لکھواتا رہتا تھا۔ اس کی تحریرات کے اصول پر خواہ کیسے ہی اعتراضات وارد کیے جائیں لیکن اسلوب بیان میں اس کی دماغی کمزوری کی ایک علامت بھی نہیں پائی جا سکتی۔ اس کے نقطۂ نظر سے معاملات کو دیکھا جائے تو اس کے اقوال اور دلایل اور بھی صاف اور بدیہی نظر آتی ہیں۔ یہ امید کی گئی تھی کہ دریا کی ہوا جو اکثر تپ یا پیچش کے ہندوستانی مریض افسروں کے لیے جان بخش ثابت ہوتی تھی اس کے لیے بھی تندرستی اور چستی پیدا کرنے کا باعث ہو گی مگر اب صحت کی توقع بعد از وقت تھی۔ اس کا آخری سرکاری مراسلہ ۲۳ رستمبر کا لکھا ہوا ہے۔ اس کے بعد ہمیں معتمدین اور احباب کے خطوط پر اکتفا کرنا پڑتا ہے۔ ۲۵ رستمبر کو اس نے کسی قدر سنبھالا لیا۔ ۲۹ رستمبر کو اُسے کشتی پر سے اتار کر غازی پور کے ایک مکان میں رکھا گیا۔ ۵ راکتوبر کو اسی مقام پر وہ جاں بحق تسلیم ہوا۔

کلکتے کے باشندوں اور ہندوستان کے مختلف حصوں کی دیگر رعایا کو بہت

سخت ملال ہوا۔ ایک جلسے میں جو کلکتے کے ناظم ضلع نے ۲۹ / اکتوبر کو منعقد کیا یہ طے پایا کہ عوام کی جانب سے اس کے محاسن کا اعتراف کیا جائے اور اس کی ایک یادگار قایم کی جائے۔ دیسی باشندوں نے اسی جلسے کے صدر کی خدمت میں ایک عرضداشت روانہ کی جس میں انہوں نے مرحوم کی انصاف پسند اور باوقار حکومت پر اپنے جذبات امتنان و شکرگزاری کا اظہار کیا اور یہ بھی لکھا کہ وہ اس کو اپنا مربی اور محسن سمجھتے تھے۔ اس جلسے کی منظور شدہ قراردادوں کی نقلیں مدراس، بمبئی، سیلون، پینانگ اور فورٹ مارل برو بھیجی گئیں۔ چندے طلب کیے گئے اور ایک کمیٹی مرتب ہوئی۔ مدراس میں گورنر لارڈ ولیم بنٹنک کے حکم سے ۹ / نومبر کو نماز جنازہ ادا کی گئی۔ خطبے کے لیے توریت قدیم کی جلد دوم کے پینتیسویں باب کی چوبیسویں آیت منتخب ہوئی جو یوں شروع ہوتی ہے "تمام جودی اور بیت المقدس نے یسوع کا ماتم کیا"۔ کلکتہ گزٹ کے ایک نامہ نگار نے اس کی یاد میں چند ابیات لکھیں جن کی تمہید کے طور پر ٹیسی ٹس کی نظم اگری کولا کا مشہور و برمحل مقولہ پیش کیا جو یہ تھا "اس کی زندگی کا خاتمہ نہ صرف ہمارے لیے اندوہ گیں اور احباب کے لیے درد انگیز تھا بلکہ اجنبیوں اور ان لوگوں کے لیے بھی جن سے اس کی جان پہچان نہ تھی وہ ایک رنج و الم کی بات تھی"۔ بمبئی میں ۱۷ / نومبر کو جیسا کہ کہا جاتا ہے ریویرنڈ این، وڈ نے ایک فصیح و بلیغ اور مناسب وقت خطبہ پڑھا جس سے قبل ایک ایسے ماتمی گیت کے ساتھ نماز ادا کی گئی جو ذوق سلیم، حسن انتخاب اور طرز ادا کے اعتبار سے ہندوستان میں اس قسم کی تمام مساعی سے بالاتر تھا۔ منتخبہ سورۃ جو بلحاظ موقع غالباً زیادہ چسپاں نہ تھی مکابئین کی پہلی جلد کے نویں باب کی یہ اکیسویں آیت تھی "وہ بہادر کیونکر تلف ہوا جس نے اسرائیل کو نجات دلائی"۔

کارنوالس غازی پور میں مدفون ہے۔ اس کا مقبرہ ایک مدور نیم یونانی شکل[1] کا بتلایا جاتا ہے جس کے ساتھ فلاکس مین کا تیار کردہ سنگ مرمر کا ایک مجسمہ نصب ہے۔ ایک اور مجسمہ کلکتے کے دارالبلد میں لگا ہے اور اسی شہر کے ایوان حکومت کے دارالمجلس کی دیوار پر ایک خوش نما قد آدم تصویر آویزاں ہے۔ کارنوالس سرکاری پوشاک میں ملبوس ہے اور اس کے ساتھ کلائیو، وارن ہیسٹنگز (مخملی کوٹ اور برجس زیب تن کیے ہوئے)، لارڈ ولزلی اور لارڈ منٹو (ہاتھ میں لپٹا ہوا کاغذ لیے ہوئے) موجود ہے

[1] امپیریل گزٹیئر آف انڈیا جلد پنجم صفحہ ۰۔

اور ان سب کے پیچھے مسٹر آدم ہے جس نے مارکوئیس ہیسٹنگز کی روانگی اور لارڈ اِمہرسٹ کی آمد کے درمیانی وقفے میں جے، ایس، بکنگھم کو قانون نظارت مطابع کی خلاف ورزی میں کسی جرم کی پاداش کے طور پر ملک سے خارج کرا دیا تھا۔ دارالبلد میں کارنوالس کا مجسمہ بیکن خرد کے ہاتھ کا ہے۔ یہ اس سنگ تراش کی بہترین مساعی میں شمار کیے جانے کے قابل نہیں ہے اور ایک قدیم رومی کی سی پوشاک گو زمانے کے مذاق کے موافق ہو گورنر جنرل پر زیب نہیں دیتی ہے۔ مجسمے کے بائیں جانب دو نسائی شکلیں آئینے اور سانپ کے ساتھ بتائی گئی ہیں جو انصاف اور صداقت کی علامتیں ہیں اور کسی خاص زمانے یا ملک سے تعلق نہیں رکھتی ہیں۔ ایک سینگ کی شکل سے ہر قسم کی ہندوستانی نباتات و فواکہ مثلاً انناس، شریفہ، آم، لیچی، ہندوستانی اناج اور دھان کی بالیاں برآمد ہوتی ہوئی دکھائی گئی ہیں اور ساتھ ہی ساتھ ہماری نظر شیر کی کھال، لاٹھی اور تیروں کے دستے پر پڑتی ہے۔ یہ صناعی لارڈ ولیم بنٹنک کے کانسی کے مجسمے سے کم درجے کی ہے جو اسی دارالبلد کے سامنے ایک کشادہ مقام پر نصب ہے اور فولے (Foley) کے تراشیدہ لارڈ ہارڈنگ کے شاندار اسپ نشین مجسمے کے مقابلے میں تو یہ بالکل ہیچ ہے۔

متعدد مورخین نے کارنوالس کے عادات و اطوار کا خاکہ کھینچا ہے اور بالعموم بے انصافی برتی ہے۔ تھارنٹن کی تاریخ برطانوی ہند، میں اس کی دماغی قابلیت شدت کے ساتھ عامیانہ اور غیر اہم بیان کی گئی ہے۔ اس کو جدت اور زود فہمی سے قطعاً مبرا اور اپنے زمانے کے تعصبات، عقاید اور جذبات کا حامی گردانا گیا ہے۔ اس مورخ کا یہ بھی بیان ہے کہ اگرچہ اس نے اپنی زندگی میں غیر معمولی شہرت حاصل کی لیکن یہ غیر فطری نام نمود جلد معدوم ہو گئی۔

مل باوجودیکہ دوامی بندوبست کی فیاضانہ مصلحت کو تسلیم کرتا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی کہتا ہے کہ اس کی تکمیل میں کسی قدر تعصب کو بھی دخل تھا اور یورپ کے طرز پر قیام اشرافیہ کا منصوبہ وہ کارنوالس سے منسوب کرتا ہے جو ایک امیر کبیر تھا۔ جس کسی نے ان مشاہیر کی سرکاری اور خانگی زندگی کا بنظر غائر مطالعہ کیا ہے جو انگلستان کی دو عظیم الشان سیاسی جماعتوں سے منتخب ہوئے اور ہندوستان میں بہت نازک

موقعوں پر حکومت کر چکے ہیں وہ ہرگز کارنوالس کو ولزلی اور ڈلہوزی کے برابر جگہ نہ دیگا اور نہ اسے لیاقت، ہمت اور متانت میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے اس ملازم کے مقابلے میں پیش کرے گا جو ایک محرّر کی حیثیت سے ترقی پا کر گورنر جنرل بن گیا اور جسے ایک حبّہ انعام نہ دیا گیا۔ بایں ہمہ کارنوالس کے مزاج میں کوئی بات عامیانہ نہ تھی اور اگرچہ امور میں اس نے اپنے زمانے کے عقاید پر متوجہ ہو کر عمل بھی کیا تو بعض اور باتوں میں وہ ان سے کہیں آگے نکل گیا ہے۔ علاوہ بریں عہدہ سے یا ملازمت سے ناجایز فایدہ اُٹھانے کے خلاف اس کی نفرت، کمپنی کے ملازمین کو جنھیں اس نے تاجروں کی حیثیت سے نکال کر حکام وقت بنا دیا رشوت ستانی اور بددیانتی کی رغبت سے بے نیاز کر دینے کے متعلق اس کا عزم بالجزم، دیسی اقوام کے مفاد و حقوق کی حفاظت کے لیے اس کا تردد، اس کی اختراعی قابلیت اور غیر متزلزل عزیمت یہ سب ایسی صفات ہیں جن کی بدولت وہ بعض اُن اہم باشان ہستیوں کو مقابلے کی دعوت دے سکتا ہے جنھوں نے ہندوستان پر حکومت کی ہے۔

طبقۂ امرا کی حمایت میں اس کے متعصبانہ خیالات (اگر انھیں قرین قیاس مان بھی لیا جائے) مبنی بر انصاف تھے اس لیے کہ وہ اس کے منصب اور مقاصد کے ساتھ مناسبت رکھتے تھے اور حقیقت یہ ہے کہ کوئی مدبّر جو اپنی محکوم اقوام کے جذبات کو کامل طور پر سمجھنے اور حل طلب مسائل کے سلجھانے کا مدعی ہو سکتا ہے اس قسم کے تعصّبات سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتا۔ ہندوستان کی اقوام کے مختلف مدارج میں جمہوریت کی شان کا شائبہ تک نہیں۔ اس کی قدیم ترین روایات سے لے کر زمانۂ حال کی تاریخ تک مختلف قسم کے حقوق قایم ہوتے رہے ہیں۔ یہاں کے فرقے شان و شوکت کے پرستار ہیں اور علانیہ لامساوات پر راضی برضا ہو جاتے ہیں جس کے خلاف ہر صاحب عقل و ہمت کھڑا ہونے کی توقع کر سکتا ہے۔ یہ تو بطور ایک بدیہی امر کے تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ دیسیوں کا عام رجحان قوم کی درجہ وار اور طبقہ وار تفریق کی تائید میں ہے اور وہ مخصوص مراعات و مستثنیات کے حامی ہیں حالانکہ اس کے ساتھ ساتھ غیر جانب دارانہ انصاف، مستقل اعتماد اور پایدار دیانت داری کی بھی قدر کی جاتی ہے۔ مختلف جتھے اور برادریاں، تاجروں کی انجمنیں، ہم پیشہ

جماعتوں کے درمیان بھائی چارہ یہ سب چیزیں جمہوریت کی مظہر نہیں ہیں بلکہ انہیں محض عدیدیہ کہا جاسکتا ہے اور ذات پات اپنے بے شمار امتیازات کے ساتھ قومی عزت کی علامت سمجھی جاتی ہے نہ کہ طوقِ ذلت ۔

غالباً کارنوالس کی بہترین تعریف یہ ہوسکتی ہے کہ اُسے ایک مدبّر کہا جائے جس پر وزارت وقت ہمیشہ اعتماد کرسکتی تھی ۔اس کی حُبِّ وطن، انتظامی معاملات پر توجہ، سلطنت کی جانب اس کی فرض شناسی یہ وہ خوبیاں تھیں جن کا انتہائی نشو ونما ولنگٹن میں ہوا۔ وہ ایک ایسا مدبّر تھا جس نے ایک بڑی سلطنت کے دیوانی نظم و نسق کی اصلاح کر کے ازسرِ نو اسے ترتیب دیا، جس نے ایک مجموعۂ قوانین شایع کیا جو آیندہ زیادہ تجربہ کار قانون سازوں کے لیے رہنمائی کا باعث ہوا، جس نے آئرلینڈ کا الحاق باوجود علانیہ دشمنوں اور ناعاقبت اندیش دوستوں کی مزاحمت کے تکمیل کو پہنچایا، جس نے ایک مطلق العنان جنگجو کو ایک ایسے صلح نامے پر راغب کیا جس میں ہر قدم پر مکر و فریب کے جال میں پھنس جانے کا اندیشہ لاحق تھا اور جو ایسے محاسن کا حامل تھا جن کی بنا پر اس کے اکثر الزاموں کی اہمیت کا زایل ہوجانا لازمی تھا۔ علاوہ بریں اُس نے متعدد ایسے کارہائے نمایاں انجام دیے جنہیں اُس کے متعلق رائے قایم کرتے وقت ملحوظ رکھنا چاہیے۔

کارنوالس کے خیالات اور جذبات کا اندازہ اس کی یادداشتوں، سرکاری مراسلوں نیز اس کے خانگی خطوں سے بخوبی ہوسکتا ہے۔ اُس کی تحریریں ولزلی اور ڈلہوزی کی طرح نہیں ہیں جو استدلال کی پائیداری، مسلسل فصاحت و بلاغت کی جلوہ ریزی اور نتایج کے اعتبار سے وسعت اور دُوررسی میں ممتاز ہوں بلکہ وہ خوش فہمی اور سلامت روی سے معمور ہیں اور مشکل و پیچیدہ مسائل پر اس کی تقریروں سے صاف مترشح ہے کہ وہ اُن جدید امور کے اہم ترین پہلوؤں کو بھی سمجھنے کی صلاحیت رکھتا تھا جن کے متعلق تیار ہونے میں اُسے پارلیمنٹ یا میدانِ رزم کے سابق علم اور تجربے سے کوئی مدد نہ مل سکتی تھی۔ مزید برآں یہ کہ اس کی تمام عمر تقریباً مسلسل طور پر خدمت گزاری اور فرائض کی انجام دہی میں صرف ہوئی۔ دیگر مدبّرین نے جو اس سے پیشتر یا بعد کو ہندوستان میں اسی عہدے پر فایز ہوئے وطن واپس جانے

پر سیاسات میں نسبتہً بہت کم حصہ لیا۔ بعض تو اکیلیز (Achilles) کی طرح بہت جلد نذرِ اجل ہو گئے یا بتدریج ایسی ادبار کے شکار ہو گئے جس نے ٹائی تھونس (Tithonus) کی قوت اور ہمت کو رفتہ رفتہ زائل کر دیا تھا۔ لیکن کارنوالس کو بہت ہی کم بلکہ قطعاً آرام نصیب نہ ہوا۔ امریکہ سے برِ اعظم (یورپ) تک، انگلستان سے ہندوستان تک، ہندوستان سے آئرلینڈ اور پھر وہاں سے ہندوستان یعنی موت کے منہ میں پہنچنے کے وقت تک اُس کا یہ تمام زمانہ ادائے فرائض اور نفس کشی میں بسر ہوا۔ اس ضمن میں یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ اس کی خانگی زندگی قابلِ قدر اور بے عیب تھی۔ اقارب و احباب کے نام اُس کے خطوط سے انتہائی مودت اور مروت ظاہر ہوتی ہے اور یہ ایک پرانا قول "آپ فوراً یقین کریں گے کہ وہ ایک نیک انسان تھا اور بخوشی یہ بھی تسلیم کریں گے کہ اُس کی شخصیت بلند پایہ تھی" اُس کے حال پر صادق آتا ہے۔

کارنوالس کا خاندان نسلِ ذکور کی طرف سے معدوم ہو چکا ہے۔ گورنر جنرل کا بیٹا (وائیکونٹ بروم جس کا ذکر مراسلات میں آ چکا ہے) مارکوئیس ثانی کی حیثیت سے اپنے باپ کا جانشین ہوا اور ۱۸۲۳ء میں بغیر اولادِ نرینہ چھوڑے وفات پا گیا۔ اس کی بہن لیڈی میری کارنوالس نے ۱۸۱۵ء میں مارک سنگلٹن سے شادی کی جو اُس وقت گارڈ کا ایک افسر تھا۔ مارکوئیس ثانی کی وفات پر ارل کا خطاب ملیچ فیلڈ کے اُسقف اعظم کی طرف منتقل ہو گیا اور اس کے بعد اس کے بیٹے جیمس کو دیا گیا۔ ۱۸۵۲ء میں اس کی وفات پر یہ خطاب ساقط ہو گیا لیکن کارنوالس کی نسل اب بھی حسبِ ذیل خاندانوں میں پائی جاتی ہے۔

مارکوئیس ثانی کی بڑی بیٹی لارڈ برے بروک (Braybrooke) ثالث کے ساتھ بیاہی گئی۔ اس رشتۂ ازدواج کے نونہالوں میں سے دو جنگ کریمیا میں کام آئے ایک بالکلاوا (Balaclava) پر اور دوسرا انکرمان (Inkerman) میں۔ موجودہ امیر یعنی لارڈ برے بروک خامس، گورنر جنرل کا پرنواسا ہے۔ ایک اور فرزند چارلس کارنوالس نیویل جو جنگ کریمیا ہی میں فوت ہوا لیڈی میری راس کے نسبی سلسلے میں مارکوئیس ثانی کا نواسا تھا۔ مارکوئیس موصوف کی دوسری دختر لیڈی جمیما

کی شادی ارل سینٹ جرمین ثالث سے ہوئی۔ اس شادی کی اولاد سے ایک بیٹا کپتان الیٹ (Eliot) جنگ انکرمان میں مارا گیا موجودہ ارل سینٹ جرمین اور آنریبل چارلس الیٹ اسی رشتے کے دو فرد تاحال زندہ ہیں۔ جو لوگ جوہر نسبی اور شرف آبائی کے معتقد رہنے سے ابھی تک باز نہیں آئے ہیں وہ یہ معلوم کرکے مسرور ہوں گے کہ تمام ہندوستان کی خوش انتظامی کے بانی کی نسل کلیتہً فنا نہیں ہوئی ہے۔